دیوان المظالم کا تاریخی مطالعہ

مولانا ریاض الحسن نوری

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان دونوں کا حکم کرتا ہے۔ مولانا سید متین ہاشمی صاحب نے بہت عمدہ بات کہی کہ محض ایک عدل کا لفظ اسلام کی جملہ تعلیمات اور حقائق اور اساسیات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کا متضاد "ظلم" ہے جس کے معنی کسی شئے کو غیر محل یعنی غلط مقام پر رکھنا ہیں۔ لیکن اگر مذکورہ بالا آیت قرآنی کی روشنی میں عدل کے ساتھ احسان کو بھی شامل کر لیا جائے تو بات ذرا زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ الخلق عیال اللہ یعنی مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ کے ہر بندہ پر فرض ہے کہ وہ خلق خدا کے ساتھ عدل بھی کرے اور احسان بھی۔ ہر مسلمان پر جس طرح صلوٰۃ کا قیام فرض ہے اسی طرح عدل کا قیام بھی فرض ہے۔ کیونکہ اللہ کی عبادت اور اطاعت عدل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت یا اطاعت (جس میں انسان کا نفس بھی شامل ہے) ظلم ہے۔ اسی وجہ سے شرک کو قرآن میں ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے بڑا گناہ بڑا ظلم اور چھوٹا گناہ چھوٹا ظلم ہے۔ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرنا بھی ظلم اور اپنے نفس کو خدا بنانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ (الجاثیہ: ۲۳)

یعنی کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو خدا بنا لیا ہے۔

پھر ایسے شخص کو اللہ نے یہ سزا دی کہ اس کے علم کے باوجود گمراہی میں ڈال دیا۔

اس آیت میں علمائے سوء کی طرف اشارہ ہے جو دولت مندوں اور حکام کی ہاں میں

ہاں ملاتے ہیں۔ جو شخص کسی کی عزت اس کی دولت یا افسری کی وجہ سے کرے اس کے متعلق سخت وعید آئی ہے۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ بادشاہوں سے ملنے سے گریز کرتے اور دولت مندوں سے پرہیز کرتے درحقیقت ایمان جب ہی حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان کی خواہش نفسانی قرآن وسنت کے مطابق ہو جائے جیسا کہ حدیث میں ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

قیام صلاۃ کی مانند قیام عدل بلکہ تمام ولایات کا قیام تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس مسئلہ پر ہم "سہ ماہی منہاج" کے عدل نمبر میں ابو زہرہ کے حوالے سے مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" اور "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" وغیرہ آیات قرآنی سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ردمظالم جو قیام عدل ہی کا حصہ ہے وہ محض حکومت پر ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جہاد بھی ردمظالم کا حصہ ہے۔ مسلمانوں نے سندھ اور سپین پر حملہ اور عالمگیر نے دکن پر حملہ ردمظالم کی بنا پر کیا۔ بقول عبدالحفیظ (برصغیر پاک وہند میں نظام عدل گستری: ۱۶۷)

قاضی برائے عدالت ہائے شرعیہ مصر محمود بن محمد بن عرنوس قاضی کے اختیارات و فرائض کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ قضاء اسلامی کے اس شعبہ پر بحث کرنا ایک کٹھن کام ہے کیونکہ آج تک قاضی کے اختیارات و فرائض کی حدود معین نہیں کی گئیں۔ تاہم علماء وفقہاء کی کتب کے مطالعہ سے اس مسئلہ کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہو چکا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ابن قیم "الطرق الحکمیہ" میں حکومت کے مختلف شعبوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امر بالمعروف، نہی عن المنکر اجتماعی زندگی کے آداب وحفاظت اور نگرانی ناموس وآبرو اور امانت کے تحفظ کا کام حکومت کے جس شعبہ کے ذمہ ہوتا ہے اسے محکمہ احتساب اور اس کے نگران کو محتسب کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے شعبہ احتساب کے اختیارات و فرائض کا دائرہ عمل امن عامہ کے تحفظ کی عملی کارروائیوں تک محدود ہوتا ہے۔ اسی طرح ارباب اختیار کے جبر واستبداد کے انسداد کے لیے بھی ایک علیحدہ شعبہ ہوتا ہے جس کے نگران کو والی المظالم کہا جاتا ہے اور اس کے سپرد ان مقدمات کے فیصلے اور ان کا نفاذ کرنا ہوتا ہے جو

قاضی اور محتسب کے امکان اور اختیارات سے خارج ہوتے ہیں۔ تنازعات کا تصفیہ کرنے، حقوق و واجبات متعین کرنے، نکاح و طلاق اور نان و نفقہ جیسے مقدمات فیصل کرنے، معاہدوں کے جائز و ناجائز ہونے غرضیکہ عام طور پر مذہبی معاملات سے تعلق رکھنے والے مقدمات اور قضیوں کا فیصلہ کرنے والے حاکم کو قاضی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا محکموں اور ان حدود کے تعین کے سلسلے میں شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی اور یہ حکومتوں کا اپنا کام ہے کہ وہ اپنے مخصوص حالات کے مطابق محکموں کی تشکیل اور ان کے سربراہوں کے اختیارات و فرائض کی تعیین کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کی حکومتیں اپنے اپنے محکموں میں رد و بدل کرتی رہی ہیں۔ بسا اوقات محکمہ قضاء اور محکمہ تنفیذ کو اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح کبھی احتساب کے محکمہ کو بھی محکمہ قضاء کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا تھا۔[1]

الماوردی فرماتے ہیں کہ عدالت قضاء اور مظالم میں دس باتوں کا فرق ہے:[2]

۱۔ ناظر مظالم باہیبت اور قوی دبدبہ والا ہو۔ قاضی کے لیے یہ ضروری نہیں۔

۲۔ ناظر مظالم کا تعلق امور واجبہ سے گذر کر جائز امور کو بھی مشتمل ہے لہٰذا وہ قول و عمل دونوں اعتبار سے وسیع الاختیارات ہوگا۔

۳۔ وہ ڈرا کر اور قرائن و شواہد حالیہ سے کام لے کر تفتیش و تحقیق واقعات اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے۔ دوسرے حکام ایسا نہیں کر سکتے۔

۴۔ ظالم کی تادیب و اصلاح کر سکتا ہے۔

۵۔ اگر مقدمہ کی بابت زیادہ تحقیق و تنقیح کی ضرورت ہو اور امید ہو کہ غور و فکر سے حالات اصلیت و اسباب کے ساتھ آشکارا ہو جائیں گے تو ناظر مظالم تصفیہ میں تاخیر کر سکتا ہے۔ دوسرے حکام ایسا نہیں کر سکتے جبکہ کوئی فریق فیصلہ میں عجلت کا طالب ہو۔

---

[1] الماوردی: الاحکام السلطانیۃ: باب ولایۃ المظالم صفحہ ۷۸، مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء۔

[2] الماوردی: الاحکام السلطانیہ: ۹۲/۹۳۔ اس مقدمہ سے ماوردی نے ولایۃ المظالم کے اہم فقہی اصول کا استخراج کیا ہے یعنی واجب سے قطع نظر کر کے جائز کو اختیار کرنا۔

۶۔ ناظر مظالم مناسب سمجھے تو فریقین کو مصالحت پر مجبور کر سکتا ہے لیکن قاضی دونوں کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔

۷۔ اگر فریقین انصاف اور اعتراف حقوق پر آمادہ نہ ہوں تو پولیس کی حراست میں دے سکتا ہے اور مقدمہ کی نوعیت قابل ضمانت ہو تو ضمانت پر رہا کر سکتا ہے تاکہ ایک دوسرے کی تکذیب سے باز آکر انصاف قبول کر لیں۔

۸۔ مجہول الحال اور نامقبول شہادت لوگوں کی شہادت بھی ناظر مظالم سن سکتا ہے۔

۹۔ شک کی صورت میں شاہدوں سے حلف بھی لے سکتا ہے۔ نیز ازالہ شک کے لیے شاہدوں کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے مگر دوسرے حکام ایسا نہیں کر سکتے۔

۱۰۔ فریقین کے نزاع کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے ابتداءً شاہدوں کے بیانات سن سکتا ہے۔ اس کے برخلاف قاضیوں کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی سے گواہ طلب کرتے ہیں اور مدعی کے کہنے پر ان کے بیانات لیتے ہیں غرضیکہ ناظر مظالم اور حاکم قضاء کے طریق کار اور اختیارات میں یہ دس بنیادی فرق ہیں[1] قاضی۔ ناظر مظالم۔ محتسب۔ یہ تین مختلف محکمے مختلف عہدے داروں کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان کے دائرہ کار اور طریق کار اور اختیارات میں فرق ہے[2]

دور رسالت میں رد مظالم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ روحانیت کا غلبہ تھا اور صحابہ کے درمیان جھگڑے تقریباً مفقود

---

[1] محولہ بالا ص ۸۵۔

[2] مثلاً اگر قرض دار قرض ادا نہیں کرتا تو محتسب کے پاس شکایت کر کے تدارک ہو سکتا ہے لیکن اگر قرض دار قرض سے انکار کر دے تو معاملہ محتسب سے قاضی کے پاس چلا جائے گا۔ پھر اگر قرض دار بڑا آدمی ہو اور قاضی معاملہ حل نہ کر سکے تو مقدمہ ناظر مظالم کے پاس پہنچ جائے گا۔

تھے۔ اس لیے آپ کے پاس تنازعات بہت کم آتے۔ لوگ زیادہ تر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس احکام شرعیہ معلوم کرنے کے حاضر ہوتے تھے اور حضور ان کو بتا دیتے تھے۔

الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں "فی ولایۃ المظالم" کے عنوان سے بہت عمدہ باب لکھا ہے اس کو وہ یوں شروع کرتے ہیں؛

ونظر المظالم ہو قود المتظالمین التناصف بالرہبۃ وزجر المتنازعین الخ یعنی مظالم یا فوجداری کے مقدمات سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام کیا جائے۔ بس ضروری ہے کہ اس منصب کا حاکم نہایت عالیشان بارعب اور بے طمع آدمی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مظالم کے مقدمے کو طے فرمایا تھا۔ (فقد نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المظالم فی الشرب الذی تنازعہ الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ورجل من الانصار الخ) زبیر بن عوام اور ایک انصاری میں زمین سیراب کرنے کے متعلق جھگڑا تھا۔ وہ خود اس کو لے کر آئے۔ آپ نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم سیراب کرو۔ پھر انصاری۔ انصاری نے کہا یا رسول اللہ بیشک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ آپ کو یہ بات ناگوار گزری اور فرمایا یا زبیر اجرہ علی بطنہ حتی یبلغ الی الکعبین یعنی اے زبیر پانی آنے دینا۔ یہاں تک کہ ٹخنوں تک آجائے چاہے اس کے لیے تجھے اس کے پیٹ پر سے پانی گذارنا پڑے۔ اس کے بعد پھر انصاری کو پانی دیدینا۔ اجرہ علی بطنہ آپ نے تا دیباً کہا ہے[1]

مزید الماوردی لکھتے ہیں کہ قرن اول میں تدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا۔ اکھڑ مزاج اعرابی سے اگر کبھی کوئی زیادتی ہو تی تو وہ بھی وعظ و سرزنش سے متاثر ہو جاتا ہے۔ ان حضرات

---

[1] الماوردی نے اس مقدمہ کو مظالم کے تحت بیان کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مظالم کے تحت ہر وہ مقدمہ آسکتا ہے جس میں کسی پر زیادتی کی جا رہی ہو۔ زیادتی کرنے والے کے لیے بڑے آدمی کی شرط ضروری نہیں۔

کے زمانے میں حق کے تعین کے بعد لوگ خود بخود اس کی طرف جھک جاتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ کے دور میں رَدِّ مظالم

حضرت ابوبکرؓ نے سنّت کی مکمل پیروی کی۔ آپ کے زمانے میں حدیث کو کیا قرآن بھی جمع نہیں ہوا تھا لیکن آپ نے بلا تاخیر قرآن و حدیث کے احکام نافذ کر دئے کوڈ نہیں بنایا۔ اگر ضرورت ہوتی تو لوگوں کو جمع فرما کر پوچھ لیتے کہ اس معاملہ میں کسی کو کوئی حدیث یاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو آپ نے قاضی مقرر فرمایا لیکن ایک سال تک کوئی مقدمہ نہیں آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جو ایسا حاکم مقرر کرے کہ وہ رعایا کے حقوق کی حفاظت نہ کرے تو ایسے مقتدر اعلیٰ پر خدا کی لعنت ہے۔ اللہ اس کو جہنم میں جھونک دے گا چاہے وہ فرائض و نوافل پڑھتا ہو۔[۱]

حضرت عمرؓ نے یہ انتظام فرمایا کہ ظلم ہونے سے پہلے پیش بندی ہو جائے اس کے لئے آپ نے اگرچہ گورنروں کی تنخواہ اچھی مقرر کی لیکن ان پر سادہ زندگی گذارنے کی پابندی عائد کر دی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے عظیم صحابی کے مکان کا دروازہ بازار میں کھلتا تھا جس سے بہت شور آتا تھا۔ انہوں نے وہ بند کرا دیا تو اسے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر جلوا دیا۔

مظالم کے وقوع کی روک تھام اور عمرؓ کا حق مظلومیت خریدنا وغیرہ

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل بنانے تو چار شرائط لازم

---

[۱] سیوطی: تاریخ الخلفاء ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۵۲ء پس پبلک سروس کمیشن کے ممبر اور دیگر بڑے لوگ جو سرکاری ملازم مقرر کرنے والے ہیں وہ دیکھ لیں کہ مسند احمد کی اس حدیث کے مطابق ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

کہتے تھے ؎۱

گھوڑے پر سوار نہ ہو (۱) باریک کپڑے نہ پہنے نہ عمدہ کھانا کھائے (۲) نہ دروازہ بند رکھے کہ لوگ اپنی حاجتوں کے لئے نہ آسکیں (۳) نہ کوئی دربان رکھے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع پہنچتی کہ ان کا کوئی عامل مریض کی عیادت نہیں کرتا اور کمزور آدمی اس تک نہیں پہنچ سکتا تو اس کو الگ کر دیا کرتے تھے ؎۲

گورنر مصر عمرو بن عاصؓ کے بیٹے نے ایک قبطی (غیر مسلم) کو اس بناء پر کوڑے مارے کہ وہ گھڑ دوڑ میں اس سے آگے نکل گیا۔ حضرت عمرؓ نے تینوں کو مدینہ طلب کیا اور قبطی کو حکم دیا کہ وہ قصاص میں گورنر کے بیٹے کو کوڑے مارے جب وہ اپنا قصاص لے چکا تو آپ نے اسے کہا کہ ایک کوڑا گورنر کے بغیر بال کے سر پر بھی مار۔ لیکن قبطی بولا کہ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ میں نے بدلہ لے لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ گویا ہوئے کہ اگر تو ان کے بھی مار دیتا تو ہم تجھے کچھ نہ کہتے۔ اس کے بعد عمرو بن عاصؓ سے فرمایا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام سمجھ لیا ہے ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ مجھے اس زیادتی کا علم نہیں ہوا، نہ اس نے میرے پاس شکایت کی۔

عمرو بن العاص نے مصر میں مسجد کی توسیع کے سلسلے میں ایک غیر مسلم بڑھیا کا مکان بغیر اس کی رضامندی کے بھاری قیمت پر خرید کر استعمال کر لیا۔ بڑھیا کی شکایت پر آپ نے حکم دیا کہ مسجد کا وہ حصہ گرا کر بڑھیا کا مکان دوبارہ تعمیر کر کے اسے واپس دیا جائے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قرآنی آیت تھی:

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (النساء ۲۹)

ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے اور تمہارے مال کی مثال ایسی ہے جیسے یتیم کا والی ہو اگر اس سے مستغنی رہا تو بچا رہوں گا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت کھا لیتا کسی

؎۱ ازالۃ الخفاء ۳: ۲۵۲، ۲۵۳ مطبوعہ نور محمد۔

؎۲ محولہ بالا ص ۱۴۲۔

کو نہیں چھوڑوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے اور اس پر دست درازی کرے حتیٰ کہ میں اس کے رخسار کو زمین میں ڈال کر اپنا قدم اس کے دوسرے رخسار پر رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق پر عمل پیرا ہو۔ [1]

اس عدل کے باوجود حضرت عمرؓ خوف الٰہی سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر دو لکیریں پڑ گئی تھیں۔

حضرت عثمانؓ وہ خود مظلوم شہید ہوئے۔ ان کا عصا توڑ دیا گیا ان کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ ان کا پانی بند کر دیا گیا لیکن انہوں نے تمام مسلمانوں کو جن میں کثیر تعداد ان کے غلاموں کی بھی تھی دفاع سے روک دیا۔ حتیٰ کہ وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ انصار آئے ان کو واپس کر دیا گیا۔ معاویہؓ نے شام سے فوج بھیجنی چاہی لیکن ان کو بھی منع کر دیا گیا۔ [2]

حضرت عثمانؓ رعایا کے حالات کی برابر اطلاع رکھتے تھے اور آپ کا اعلان تھا میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف شکایت پیش کی جاتی ہے تحقیقات کر کے فوراً تدارک کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں۔ اس لیے اعلان عام کیا جا رہا ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے میں کامل تدارک کر کے مظلوم کو اس کا حق دلا دوں گا۔ [3] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے عمال و حکام کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے تک پہنچنے اور شکایات پہنچانے کے مواقع اور سہولتیں مہیا کریں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں تھا بلکہ حج کے موقع پر اعلان ہوتا کہ جو شخص کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا کوئی نیک مشورہ دے گا وہ سو سے لے کر تین سو دینار انعام پائے گا۔ [4] کیا آج کسی

---

[1] ازالۃ الخفاء، ۲، ۲:۴۵۲

[2] امام حسنؓ اور عمر بن عبدالعزیز کو زہر دیا گیا لیکن حسن نے مجرم کا نام بتانے سے انکار کر دیا اور عمر بن عبدالعزیز نے زہر دینے والے غلام کو جان بچا کر بھاگ جانے کا حکم کیا۔

[3] ظفیرالدین مفتاحی، اسلام کا نظام امن، ۱۰۳، مطبوعہ مئو اعظم گڑھ۔

[4] ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت ۱، ۱۲:۱ بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔

جمہوری ملک میں عوام کو ایسا حق یا اختیار حاصل ہے۔ آج تک زیادتی کی خبر دینے والے کو کسی جمہوری حکومت نے انعام دیا۔ جدید پولیس الٹا مظلوم ہی کو پکڑ لیتی ہے۔

بنوامیہ کے دور میں رد مظالم

امیر معاویہؓ نے پولیس کے صیغے کو بڑی ترقی دی۔ بقول معین الدین ندوی امن و امان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستہ کی گری پڑی چیز اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ راتوں کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا دروازے کھول کر سوتی تھیں۔ زیاد والیٔ عراق کا دعوےٰ تھا کہ اگر کوفہ سے خراسان تک رسی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا ہے۔ ایک مرتبہ اسے پتہ چلا کہ کسی گھر کے لوگ پہرہ دے رہے ہیں تو اس نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کا مال ضائع ہو جائے گا تو میں ذمہ دار ہوں گا۔

قیام امن کے لیے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی احتیاط ہے۔ امیر معاویہؓ نے دمشق کے تمام بدمعاشوں کے نام درج رجسٹر کرائے۔ زیاد نے جعد بن قیس کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا[۱]

اللہ تعالیٰ نے تو خود سرورِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کو قرآن کے ذریعے حکم دیا کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مومنوں کے لیے اپنے بازوؤں کو نیچا رکھو۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنا آقا اور نبی تسلیم کرنے والے کسی سرکاری افسر کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی غریب یا مسکین پر افسری جمائے ورنہ وہ مسلمان کے بجائے منافق کے زمرے میں شامل ہو جائے گا اسی وجہ سے ابومسلم خولانی نے امیر معاویہؓ کو السلام علیکم ایہا الاجیر یعنی اے ملازم السلام علیکم کہہ کر خطاب کیا۔ اور معاویہؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی دادرسی میں امیر معاویہؓ کو اتنا اہتمام تھا کہ وہ دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جا کر رعایا کی شکایات سننے کے لیے بیٹھتے۔ ان کے

---

[۱] معین الدین ندوی: بنی امیہ، ۲۹۔ اعظم گڑھ۔

[۲] تفسیر المنار۔

سامنے کمزور، ناتواں، دیہاتی عورتیں، بچے اور لاوارث۔ ہر طبقہ کے لوگ پیش کئے جاتے۔ یہ سب اپنی شکایتیں بیان کرتے اور امیر معاویہؓ اسی وقت تدارک کا حکم دیتے۔

یزید کے دور میں جو سیاسی مظالم ہوئے وہ سب کو معلوم ہیں لیکن عدالتوں کا نظام عام طور سے عادلانہ قائم رہا۔ قاضی شریح جیسے قاضیوں نے عدل کو قائم رکھا۔

عبدالملک کے دور کی سیاسی چپقلش سے قطع نظر دیوان مظالم قائم رہا مسلمانوں نے بڑی بڑی فتوحات کیں۔ سندھ پر حملہ بھی ایک عورت کی فریاد اور مظلوموں کو چھڑانے کے لیے کیا گیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں وہ مثالی عدل قائم کیا کہ اس کی موت کی خبر سن کر ہندوؤں نے اس کی یاد میں اس کا بت بنایا۔ (فتوح البلدان وغیرہ)

خلیفہ تک عام عورت رسائی حاصل کر سکتی تھی اور اس سے جواب طلب کر سکتی تھی۔ سیوطی ہی نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک عورت نے اس سے کہا کہ اے امیرالمومنین میرے بھائی کے ورثہ میں سے مجھے ایک دینار دیا گیا ہے حالانکہ وہ چھ سو دینار نقد ترکہ چھوڑ کر مرا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ تیرے حصہ میں اتنا ہی آتا ہے۔ عبدالملک کو بھی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس نے امام شعبی کو بلوایا اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ متوفی کی دو بیٹیوں کے دو ثلث یعنی چار سو۔ ماں کا چھٹا حصہ یعنی ایک سو۔ بیوی کا آٹھواں حصہ یعنی پچھتر اشرفیاں اور بھائیوں کا حصہ چوبیس دینار۔ یہ کل ۵۹۹ ہوئے۔ باقی ایک دینار متوفی کی اس بہن کا حصہ ہے[1] دیکھئے کہ خلیفہ نے اسے کسی ماتحت کے پاس نہیں بھیجا بلکہ خود تحقیقات کی اور اپنا اور اس سائلہ کا اطمینان کیا۔

ابن عائشہ کا بیان ہے کہ عبدالملک کے پاس جب دنیا کے کسی حصے سے کوئی شخص آتا تو اس سے کہتا کہ حسب ذیل چار باتوں سے میرے سامنے پرہیز کرنا اور ان کے علاوہ جو جی چاہے کہنا۔

۱۔ میرے سامنے جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جھوٹے کی کوئی قدر و منزلت نہیں کرتا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء، سیوطی، ۲۲۱، مصر۔

۲- میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا کیونکہ میں اپنا حال بخوبی جانتا ہوں اور اپنے ضمیر سے واقف ہوں۔

۳- میرے پوچھے بغیر کوئی جواب نہ دینا کیونکہ بن پوچھے جوابات بیکار ہیں۔

۴- میری رعیت پر مجھے برانگیختہ نہ کرنا کیونکہ ان سے مہربانی کرنے کی مجھے بڑی ضرورت ہے۔[1]

ایک بار خلیفہ عبدالملک قاضی خیر بن نعیم کی عدالت میں اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف مقدمہ لے کر آیا اور ان کے فرش پر بیٹھ گیا۔ قاضی نے کہا کہ فریق کے ساتھ جا کر کھڑے ہو۔ عبدالملک کو یہ ذلت گوارہ نہ ہوئی اور وہ مقدمہ چھوڑ کر چلا آیا[2] لیکن قاضی نے کوئی پرواہ نہ کی۔

شہر کی فصیل کی بجائے عدل اور انصاف اور بوڑھی عورت کی رہائی

حمص کے عامل نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ شہر کی فصیل گر گئی ہے اس کی تعمیر ضروری ہے۔ کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ حمص کو عدل سے آباد کر دو۔ راہوں سے ظلم و خوف کا مواد ہٹا دو۔ مٹی۔ اینٹ پتھر کی ضرورت نہیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی ایسے شخص کو عامل بنایا کہ وہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے بہتر کام کرنے والا موجود ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے[3] ہسپانیہ کے اموی حکمران منصور کو جب معلوم ہوا کہ نبرہ عیسائی ریاست میں ایک بوڑھی عورت کو لونڈی بنا کر رکھا گیا ہے تو منصور نے پہلے تو محض مطالبہ کیا۔ لیکن جب اثر نہ ہوا تو خود بنرہ پہنچا پھر عیسائی بادشاہ سے اسکو رہا کروایا اور اس گرجا کو گروا دیا جہاں وہ بوڑھی عورت قید تھی۔ اسپر منصور نے خدا کا شکر ادا کیا۔[5]

---

[1] تاریخ الخلفاء ، ۲۱۹۔

[2] الکندی المصری ، الولاۃ و کتاب القضاۃ : ۳۶۵ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۹۰۸ء

[3] کتاب الاذکیا ، ابن جوزی۔

[4] نظام الملک طوسی ، سیاست نامہ ، ۲۵۹ (اردو)

[5] رشید اختر ندوی ، مسلمان حکمران ، ۴۳۷۔

اصمعی کا بیان ہے کہ کسی نے عبد الملک سے کہا اے امیر المومنین آپ بہت جلد بوڑھے ہوگئے تو جواب دیا کیوں نہ ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر جمعہ کو لوگوں کو عقلمندی سکھاتا ہوں محمد بن حرب زیادی کا بیان ہے کہ کسی نے پوچھا اے امیر المومنین! سب سے اچھا کون ہے؟ جواب دیا جو عزت ہونے کے باوجود عاجزی کرے اور قدرت رکھنے پر زہد و تقویٰ کرے اور طاقت کی موجودگی میں انصاف سے کام لے۔ اس نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خوف زدہ رہنا۔ تفرقہ بازی اور اختلاف سے دور رہنا۔ ولید نے موت کے وقت کہا کہ کارہائے خلافت کو خوف خدا سے انجام دینا۔ سیاسی مظالم سے قطع نظر بنوامیہ نے عدل و انصاف کو قائم رکھا۔ دیوان مظالم میں انصاف سے کام لیا۔ رعایا کو خوش رکھا۔ اسلام کی ہر طرح خدمت کی عوام میں انصاف کو قائم کیا۔ [1]

جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے عدل وانصاف اور رد مظالم میں حضرت عمرؓ کے دور کی یاد تازہ کر دی۔ انہوں نے بنوامیہ کے تمام امرا سے جاگیریں چھین لیں خود اپنی بھی جاگیر واپس کر دی۔ ان کی بیوی کو اس کے باپ عبد الملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو ورنہ مجھے چھوڑنے کو تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔ [2]

پھر یہ کہ سابق حکومتوں نے اگر رعایا میں سے کسی سے کوئی چیز ناجائز طور پر حاصل کر لی تھی وہ ان کے مالکان کو واپس کر دی گئی۔ اس کے لیے کوئی خاص ثبوت طلب نہیں کئے جاتے تھے۔ عراق کے بیت المال سے اس قدر مال لوگوں کو واپس دیا گیا۔ کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا اور آپ کو شام سے مال وہاں بھیجنا پڑا۔

ابو زناد فرماتے ہیں:

---

[1] بنوامیہ، شاہ معین الدین، ۳۶، ۳۷ بحوالہ مروج الذہب، مسعودی، ۴: ۴۲۳۔

[2] سیرت عبد العزیز: ابن جوزی، ۱۱۵

كتب الينا عمر بن عبد العزيز بالعراق فى رد المظالم الى اهلها فرددناها حتىٰ انفدنا ما فى بيت مال العراق، وحتىٰ حمل الينا عمر المال من الشام [1]

حضرت عمر بن عبد العزیز نے امیر معاویہ اور یزید کے دور سے لے کر اپنے خلیفہ ہونے تک ہونے والے تمام مظالم کا تدارک کیا۔ ابن سعد کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

مازال عمر بن عبد العزيز يرد المظالم من لدن معاويه الى ان استخلف اخرج من ايدى ورثة معاويه ويزيد بن معاويه حقوقاً [2]

حضرت عمرؓ نے حجاج کے پورے خاندان کو یمن کی طرف جلا وطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے اس کو اپنی حکومت کے بدترین علاقوں میں ادھر ادھر منتشر کر دو جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ یا اس کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے ان کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا [3]

امام غزالی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک شخص کو عامل بنایا پھر سنا کہ وہ حجاج بن یوسف کا عامل رہا ہے۔ آپ نے اس کو معزول کر دیا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے تو اس کے عہد میں تھوڑے سے دن کام کیا تھا آپ نے فرمایا کہ ایک روز خواہ اس سے کم بھی حجاج کے پاس رہنا نحوست اور شرارت کے لیے کافی ہے [4]

ایک اموی جرنیل قتیبہ نے سمرقند پر قبضہ کیا تھا۔ سمرقند والوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو شکایت بھیجی کہ اس نے ہمارے شہروں پر دھوکے سے قبضہ کیا۔ شکایت

---

[1] طبقات ابن سعدی، ۵: ۳۴۲۔

[2] محولہ بالا ۳۴۲۔

[3] تابعین شاہ معین الدین، ۲: ۳۲۲۔ ابن عبد الحکم، سیرت عمر بن عبد العزیز، ۱۴۲ وغیرہ وغیرہ

[4] احیاء العلوم اردو ترجمہ ۲: ۱۷۷۔

سننے کے بعد آپ نے سلیمان کو لکھا کہ جب تم کو میرا خط ملے تو فوراً ان کے فیصلے کے لیے قاضی مقرر کر دو۔ تاکہ وہ ان کی شکایتیں سنے اگر وہ حق پر ہوں تو انہیں ان کے فوجی قیام گاہ میں چلے جانے کی اجازت دیدینا تاکہ وہی حالت پیدا ہو جائے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان قتیبہ کے فتح پانے سے پہلے تھی۔ سلیمان نے قاضی ناجی کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ تمام عرب سمرقند خالی کر دیں اور باہر فوجی پڑاؤ ڈالیں۔ اس کے بعد برابر کا مقابلہ ہو۔ پھر ان میں چاہے صلح ہو جائے یا بزور شمشیر فتح ہو جائے۔ گویا فوجی فتح اور قبضہ کو کالعدم قرار دیتے ہوئے عربوں کو سمرقند سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ لیکن یہ انصاف دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ جنگ ہوئی تو ممکن ہے کہ عربوں ہی کو فتح ہو جائے تو انہوں نے اپنی موجودہ حالت برقرار رکھنے کو ترجیح دی۔[1] خدا اور اس کے رسولؐ کا قانون، جنگ ہو یا صلح، ہر حال میں سربلند رہے گا۔ اس کے سامنے نہ کسی جرنیل کی کوئی حقیقت ہے نہ بادشاہ کی۔ نہ پیر کی نہ فقیر کی۔

مصر سے ایک قبطی عورت نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ میرے گھر کی دیوار نیچی ہے اور محلہ والے میری مرغیاں چرا کر لے جاتے ہیں۔ خط ملتے ہی آپ نے گورنر کو لکھا کہ فوراً جا کر اپنی نگرانی میں اس کی دیوار اونچی کرا دو۔

نافع کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی اولاد میں وہ کون ہے جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔[2] تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حکومت دیوان مظالم کو اسلامی خطوط پر چلانا چاہتی ہے اس کے لیے آپ کی ڈھائی سالہ حکومت بہترین نمونہ ہے۔

جراح بن عبداللہ نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ خراسان کے عوام بہت خراب ہیں انہیں تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز درست نہیں کر سکتی۔ پس اگر امیرالمومنین اجازت

---

[1] تاریخ طبری، ۶: ۵۶۸۔

[2] محولہ بالا، ۶: ۵۶۶۔

دیں تو میں سختی سے کام لوں۔ جواب میں انہوں نے لکھا کہ تم نے خط میں جھوٹ لکھا ہے۔ بلکہ صرف انصاف اور حق پرستی ہی ان کو درست کر سکتی ہے۔ پس اسی کو عام کرو۔ والسلام[۱]

حضرت عمر بن عبد العزیز نے کوفہ کے عامل عبد الحمید کو لکھا کہ کوفہ والوں پر پہلے عمال زیادتی کرتے رہے ہیں حالانکہ دین کی اساس عدل اور اچھے سلوک پر ہے۔ پس سب سے پہلے تم اپنے نفس کی روک تھام کرو۔ کیونکہ یہ کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں ہے۔ ویران زمین کا خراج آباد زمین سے نہ لو۔ زمین کی طاقت سے زیادہ خراج وصول نہ کرو۔ زمین کی حالت بہتر کراؤ پھر اس کے بعد خراج لو۔ لیکن ساتویں حصے سے زیادہ نہ لو۔ وہ بھی نرمی اور دلجوئی سے تاکہ کاشتکار خوش رہیں۔ خراج تشخیص کرنے والوں کی تنخواہیں رعایا سے وصول نہ کرنا۔ نہ نوروز اور مہرجان کا تحفہ لینا۔ نہ خطوط اور رپٹ رسانیکی اجرت۔ نہ بیت المال کے ملکیتی مکانوں کا کرایہ وصول کرنا نہ قرآن کریم کی قیمتیں نہ نکاح خوانی کا معاوضہ وصول کرنا۔ جو زمیندار مسلمان ہو جائے اس سے خراج نہ لینا (ولا خراج علی من أسلم من اهل الارض) جو حج کا ارادہ کرے اس کی سو دینار سے مدد کرنا۔ والسلام[۲]

حضرت عمر بن عبد العزیز نے احکام صادر کر دیئے تھے کہ اگر حکومت سابقہ نے کسی کی زمین اس کی مرضی کے بغیر لی ہے (جبری سرکاری قبضہ وغیرہ) تو اسے فوراً معمولی پڑتال کے بعد واپس کر دیا جائے۔ اس پر عمل ہوا۔ لیکن ایک شخص خلیفہ کو راستے میں ملا کہ عدی بن ارطاۃ نے میری زمین سرکار سے واپس نہیں دلوائی۔ خلیفہ بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ ہم اس کی کالی پگڑی کے دھوکے میں آگئے۔ فوراً اس کی زمین کی واپسی کے احکام صادر کر دیئے۔ پھر اس سے پوچھا کہ تم کو یہاں تک آنے میں کتنا خرچ کرنا پڑا۔ اس نے کہا کہ اس کا کیا پوچھتے ہو۔ میری زمین جو ایک لاکھ کی تھی مجھے واپس مل گئی یہ کیا کم ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ وہ تو تم کو تمہارا حق ملا ہے۔ بتاؤ سفر کا خرچہ کتنا ہے۔ اس نے بتایا کہ ۶۰ درہم خرچہ کا اندازہ ہے

---

[۱] تاریخ الخلفاء، سیوطی: ۲۴۲۔

[۲] تاریخ طبری، ۶: ۵۶۹ (ذکر بعض سیرۃ)

آپ نے فوراً بیت المال سے ۶۰ درہم دلوادیئے۔ جب وہ درہم لے کر واپس ہوا تو آپ نے آواز دے کر اسے بلایا اور اس کو مزید پانچ درہم دیئے اور کہا کہ یہ میرے مال میں سے ہیں جب تک تم اپنے گھر والوں میں پہنچو تو انکا گوشت کھانا۔ ؎۱

گویا انہوں نے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ پر پورا عمل کیا۔ عدل تو بیت المال سے دلوایا اور احسان اپنی جیب سے کیا۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا۔ کیا کوئی جمہوری حاکم بھی ایک دیہاتی سے ایسا سلوک کر سکتا ہے۔ یہ مت بھولئے کہ عمر بن عبدالعزیز اس وقت روئے زمین کے سب سے بڑے حکمران تھے جن کی مملکت سپین سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ خود ان کے عامل کیسے تھے سنئے۔ آپ کے ایک بیٹے کے کپڑے پھٹ چکے تھے جن کو پہن کر وہ مکتب جاتا تھا۔ اس کے ہم سبق اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ بیٹے نے باپ سے نئے کپڑوں کا مطالبہ کیا۔ باپ نے مجبوراً خازن سے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ طلب کی۔ جواب میں خازن نے لکھا کہ جب تک آپ ہمیں حکم دیتے رہیں گے ہم آپ کی اطاعت کرتے رہیں گے لیکن جب آپ ہمیں ظلم وجور کا حکم دیں گے تو ہم نہیں مانیں گے (فاذا امرتمونا بالجور فانا لا نعمل لکم) اب جواب یہ ہے کہ آپ مجھے ضمانت دیں کہ مہینہ ختم ہونے تک زندہ رہیں گے تو میں دینے کو تیار ہوں۔ اس پر آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا ان ہی پھٹے پرانے کپڑوں میں مکتب جاؤ۔ لڑکے مذاق اڑاتے ہیں تو یاد رکھو کہ تمہارا باپ تمہیں نئے کپڑے دینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ فقہاء نے اس سے استدلال کیا کہ پیشگی نہ لینا اولیٰ ہے لیکن شدید ضرورت میں ہرج نہیں ؎۲

اسی وجہ سے سلطان صلاح الدین نے کہا یہ مت گمان کرو کہ میں نے ملکوں پر تمہاری تلواروں کے ذریعے قبضہ کیا ہے بلکہ میرا قبضہ فاضل قاضی کے قلم کی بنیاد ہے۔

؎۱ عبداللہ بن عبدالحکم، سیرت عمر بن عبدالعزیز ۱۴۶، ۱۴۷ مطبوعہ بیروت

؎۲ محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک و ہند میں فقہ ۵۵ بحوالہ فتاویٰ غیاثیہ۔

لا تظنوا انی ملکت البلاد لبسیوفکم بل لقلم القاضی الفاضل[1]

حقیقت یہ ہے کہ قرون وسطیٰ میں حکومت کی اپنی بقاء کے لیے عدل کا قیام ضروری تھا۔ اس دور میں محض عسکری قوت سے حکومت نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ ہتھیار عام ہوا کرتے تھے اور ان پر پابندی نہیں ہوتی تھی اس لیے عوام کی خوشنودی استحکام حکومت کے لیے ضروری ہوتی تھی ورنہ مسلح عوام بغاوت کر سکتے تھے۔ اس دور میں ہر ملک کے عوام قبائلی علاقے کی طرح جنگ جو ہوتے تھے۔

ہشام اموی اور رد مظالم اموی حکومت میں بیت المال میں بدعنوانیاں ہوئیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی اصلاح کی لیکن پھر تقریباً وہی صورت حال پیدا ہو گئی۔ ہشام اموی نے اس کا پورا انسداد کیا اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب تک شہادتوں سے اس کا پورا الیقین نہ ہو جائے کہ محاصل میں ناجائز آمدنی کا حصہ شامل نہیں ہے اس وقت تک اس کو بیت المال میں داخل نہ کیا جائے۔ چنانچہ چالیس شہادتوں کے بعد آمدنی داخل کی جاتی تھی۔

یہ تو مالی سلسلہ میں مظالم کی پیش بندی کا حال تھا۔ لیکن عدالتوں میں بھی عدل قائم تھا۔ ایک مرتبہ ایک نصرانی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا وہ زخمی ہو گیا۔ محمد کے خواجہ سرا نے اس کے بدلہ میں نصرانی کو مارا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً خواجہ سرا کو طلب کیا۔ اس نے محمد کے دامن میں پناہ لی۔ لیکن ہشام کی سزا سے نہ بچ سکا۔ اس نے اسے سزا دی اور اپنے لڑکے کو تنبیہ کی۔

اس دور کے اموی خلفاء میں بھی ایسے نرم خو لوگ تھے، اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے

---

[1] القضاء والقضاۃ؛ محمد شہیر ارسلان؛ ۱۸۷۔

ہشام کو ایک شخص کہتے سنا کہ اس امر میں کیا مضائقہ ہے کہ تم اپنے خلیفہ کی بات مان لو۔[1]

یہاں ایسے کثیر واقعات کی گنجائش نہیں اس لیے اس کے دور کا آخری واقعہ لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جدید دور کے جمہوری سیاست دانوں اور قدیم دور کے مسلمان حکمرانوں میں کیا فرق ہے۔

خالد بن صفوان کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک کے ہاں مہمان ہوا۔ ہوا۔ اس نے مجھے کہا کہ صفوان کوئی قصہ سناؤ۔ میں نے کہا کہ ایک بادشاہ عراق کی قدیم شاہی عمارت کی سیر و سیاحت کے لیے روانہ ہوا یہ بادشاہ بڑا عالم اور کئی ملکوں پر قابض تھا۔ اس نے مصاحبوں سے پوچھا بتاؤ کہ جتنی دولت میرے پاس ہے اتنی کسی دوسرے کے پاس بھی دیکھی یا سنی۔ ایک بوڑھے دانشمند نے اجازت لے کر بادشاہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس جو دولت ہے اس میں کمی نہیں ہوئی اور کیا یہ ورثے میں نہیں ملی اور کیا یہ دوسروں تک نہیں پہنچے گی۔ شاہ نے کہا بالکل درست ہے۔ اس پر بوڑھے نے کہا کہ ان کھوٹے سکوں نے تم میں غرور پیدا کر دیا ہے۔ تمہاری دولت کا اکثر حصہ میراث میں چلا جائے گا پھر ہر شے کی بابت تم سے روز محشر حساب کتاب ہوگا۔ اس پر شاہ نے کہا کہ افسوس صد افسوس کہاں بھاگ جاؤں۔ بادشاہ لرزاں و ترساں تھا کہ بوڑھے نے پھر کہا کہ اگر بادشاہت منظور ہے تو اللہ کی اطاعت پر کمر بستہ ہونا ضروری ہے اور ظاہر و باطن میں یکسانیت لازم ہے۔ اگر بادشاہت سے جی بھر گیا ہے تو تاج شاہی اتار دو۔ پرانے کپڑے پہن لو۔ اور عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔

---

[1] اس طرح کی گفتگو تو جمہوری دور کا چھوٹا سرکاری افسر یا پٹواری بھی کسر شان سمجھتا ہے جمہوری دور کے حکام ر د مظالم کیا کرینگے یہ تو خود سب سے بڑے ظالم اور ظالموں کے پشت پناہ ہوتے ہیں رسہ گیروں اور جواریوں کی پشت پناہی پولیس کرتی ہے پاکستان بننے کے چند سال بعد محض قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مطالبے اس نظام کو مغربی جمہوریت کے نظام سے کیا نسبت جس میں ہر ملازم فرعون بن جاتا ہے۔

اس پر بادشاہ نے کہا کہ آج رات غور کروں گا۔ صبح تم کو اطلاع دوں گا۔ چنانچہ اگلے روز اس شاہ نے بوڑھے کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہا میں نے بادشاہت کو لات ماری۔ پہاڑ اور میدان بے آب وگیاہ کی ٹھانی ہے اور شاہی پوشاک کی جگہ گوڈری پہنی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ رہو تو مناسب ہے۔ چنانچہ اس بوڑھے اور بادشاہ نے پہاڑوں میں بسیرا بنایا اور وہیں انتقال کیا۔

یہ قصہ سن کر ہشام بن عبدالملک نے اتنی گریہ وزاری کی کہ آنسوؤں سے داڑھی بھیگ گئی۔ پھر ہشام بن عبدالملک نے بیٹوں کو بلا کر سب کچھ ان کے حوالے کیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ اس پر ارکین حکومت نے خالد بن صفوان سے کہا کہ تم نے امیرالمومنین پر کونسا جادو کر دیا ہے کہ سب عیش و آرام انہوں نے ترک کر دیا ہے ۔ خالد نے جواب دیا کہ آپ لوگ مجھے معذور سمجھیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اقرار کیا ہے کہ جب کسی بادشاہ تک رسائی ہو گی تو اسے لازمی طور پر اللہ تعالیٰ کی یاد دلاؤں گا۔[۱]

عباسی دور میں ردِ مظالم

سلطنت عباسیہ کو منصور نے مستحکم کیا۔ اس کا قول تھا کہ خلیفہ کو صرف تقویٰ درست رکھ سکتا ہے وہ کہا کرتا تھا کہ چار ارکان کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی۔

۱۔ قاضی جو بغیر خوف لومتہ لائم کے انصاف کرے۔

۲۔ پولیس جو قوی کے مقابلہ میں کمزور سے انصاف کرے۔

۳۔ تحصیلدار جو رعایا پر ظلم کے بغیر خراج پورا وصول کرے۔

۴۔ پرچہ نگار جو ان لوگوں کی صحیح اطلاع دیتا رہے۔[۲]

اس نے لوگوں کو عام آزادی دے رکھی تھی کہ جس کسی کو حاکم سے کوئی تکلیف پہنچے تو

---

[۱] تاریخ الخلفاء ۹۰، ۲۴۲ مطبوعہ مصر۔

[۲] طبری تاریخ ۸، ۶۷ مطبوعہ دارالمعارف۔ ایک مرتبہ اسے اطلاع ملی کہ حضرموت کا والی شکار کا شوقین ہے۔ خلیفہ نے فوراً لکھا کہ مسلمانوں کی خدمت کے بجائے شکار کھیلتا ہے۔ پھر معزول کر دیا۔ ص ۶۸۔

وہ بلا روک ٹوک خلیفہ سے اس کی شکایت کرسکتا ہے پس اس طرح کے بہت سے ردمظالم کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں - ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے ایک عامل کی شکایت کی منصور نے جواب دیا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں اس عامل کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ - طبری نے اسی قسم کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے قلیوں سے سامان اٹھوایا لیکن پیسے کچھ کم دیئے - کہتے ہیں کہ منصور میں بخل تھا - مزدور فوراً قاضی کے پاس جا پہنچے - قاضی نے عدالت میں خلیفہ کو طلب کر لیا - خلیفہ اپنے وزیر ربیع کے ہمراہ عدالت میں حاضر ہو گیا - لیکن قاضی ان کے لیے کھڑا نہ ہوا اور نہ ان کے آنے کی پرواہ کی بلکہ چادر اپنے گرد لپیٹ لی - پھر خصمین کی حاضری کا حکم دیا - بیانات سن کر خلیفہ کے خلاف ڈگری دیدی - خلیفہ یہ انصاف دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ خدا تم کو جزا دے - قاضی کو دس ہزار دینار انعام دیئے جانے کا اعلان کیا۔ [1]

بقول یعقوبی مہدی نے خلیفہ بننے کے بعد تمام باغی قیدیوں کو رہا کر دیا اور جن کی جائیدادیں ضبط کی گئی تھی وہ سب واگذار کر دیں - جو علوی قید تھے ان سب کو بھی رہا کر کے وظائف مقرر کر دیئے - ایک مرتبہ آخری اموی خلیفہ کی بیوی مزنہ پھٹے پرانے کپڑوں میں مہدی کی بیوی کے پاس آئی - ملکہ خیزران نے اسے ایک لونڈی کے سپرد کیا کہ اس کو کپڑے بدلا دے جب مہدی آیا تو اس نے لونڈی سے پوچھا کہ دیکھو مزنہ کیا کر رہی ہے - معلوم ہوا کہ وہ رو رو کر یہ آیت تلاوت کر رہی ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً الخ (النحل ۱۱۲) یعنی اللہ نے ایسی بستی کی مثال بیان کی جو امن چین سے رہتی تھی - اس کے پاس ہر جگہ سے فراغت سے رزق آتا تھا - پس اس نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا - اس کی سزا میں اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس چکھایا۔

یہ سن کر مہدی زار زار رونے لگا اور اللہ سے پناہ مانگنے لگا اور خیزران سے کہا کہ اگر تم مزنہ سے شرافت سے پیش نہ آئی ہوتیں تو میں تم سے کبھی نہ بولتا - پھر اس کو بلایا اور

---

[1] شیر ارسلان، القضاء والقضاۃ، ۱۹۲، ۱۹۳ -

پھر مزنہ سے کہا کہ اسے بنت عم اگر میں تمہارے خاندان میں شادی کرنا پسند کرتا تو ضرور تم سے شادی کر لیتا۔ لیکن ایسا ممکن نہیں اس لیے تم مجھ سے پردہ کرو۔ اپنی بہنوں کے ساتھ (عباسی خواتین) محل میں رہو۔ جو سلوک ان سے کیا جاتا ہے وہی تم سے کیا جائے گا۔ اس میں اور شاہی خاندان کی خواتین میں کوئی فرق نہ کیا جاتا۔ انہی کے برابر اس کو جاگیر بھی دی گئی۔ مزنہ نے راحت اور عزت سے پوری عمر محل میں گذاری اور ہارون الرشید کے زمانے میں انتقال کیا۔ [1]

بیوی کی عیادت پر دیوان مظالم کو ترجیح

ایک مرتبہ ملکہ خیزران بیمار ہوئی اور خلیفہ اس کی عیادت کو چلا۔ راستے میں عمر بن بزیع نے عرض کی کہ اس سے زیادہ ضروری فرض موجود ہے پہلے ادھر چلئے پوچھا کیا؟ عمر نے کہا کہ آپ نے تین روز سے مظالم کی سماعت نہیں فرمائی۔ اس عیادت سے یہ زیادہ ضروری ہے۔ ہادی نے اپنے جلو میں چلنے والی جماعت کو اشارہ کیا کہ دربار عام کی طرف چلو۔ اور اپنے ایک خدمت گار کو خیزران کے پاس اپنے اس وقت نہ پہنچ سکنے پر معذرت کے لیے بھیج دیا۔ اسے ہدایت کی کہ کہہ دینا کہ عمر بن بزیع نے ہمیں متنبہ کیا کہ اللہ کے حق کی ادائیگی ہم پر تمہارے حق کی ادائیگی سے زیادہ ضروری ہے اس وجہ سے ہم آج تمہارے پاس نہ آسکے۔ انشاء اللہ کل صبح عیادت کو آئیں گے۔ [2]

ہارون رشید

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں ہارونی دور میں رعایا مرفہ الحال اور فارغ البال تھی۔ خلیفہ کو رعایا کی صلاح و فلاح کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ بہ نفس نفیس حالات کی جستجو کرتا تھا۔ اس کی جستجو کے واقعات نے افسانے کی شکل اختیار کر لی ہے لیکن افسانے حقیقت سے خالی نہیں۔ قاضی ابو یوسف رح نے اس کے لیے کتاب الخراج لکھی اور اسی کتاب کو حکومت نے اپنا لائحہ عمل بنایا۔ پھر اس کا

---

[1] تاریخ طبری ۸ : ۲۱۵ مطبوعہ دارالمعارف مصر۔

[2] محولہ بالا صفحہ ۲۱۶۔

دور عدل و انصاف اور خوشحالی کا سنہری دور بن گیا۔ وہ خود سو رکعات نفل روزانہ پڑھتا اور اپنی جیب سے ہزار درہم روز خیرات کرتا۔ اپنے ساتھ سو علماء کو حج پر لے جاتا جہاد کے حق میں حدیث سن کر اس نے معمول بنا لیا تھا کہ ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتا۔ خشیت الٰہی سے اس کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے۔ اس کے زمانے میں تین آدمی سب سے زیادہ رقیق القلب تھے جن میں سے ایک ہارون خود تھا[۵]۔ ہارون رشید اور قاضی ابو یوسف کے رد مظالم کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مامون رشید

شبلی لکھتے ہیں کہ دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی اور وسعت کے فسانے جو روز ہم سنتے رہتے ہیں سچ پوچھیئے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد کیے گئے۔ مامون خود سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کرتا جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم از کم ایک رات دن ٹھہرا۔ ایک گاؤں میں نہ ٹھہرا تو گاؤں کی مالک جو ایک بڑھیا تھی اس نے شکایت کی تو اس کا مہمان ہوا۔ دعوت کے بعد اس نے دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سکہ کی نذر کیں۔ مامون نے کہا کہ یہ تکلیف کیوں کی جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ہم لوگوں میں اس کی کچھ قدر نہیں۔ ملک کے ہر حصے میں معذور۔ محتاج۔ بیوہ۔ یتیم سب کے روزینے مقرر تھے۔ یہ بات سلطنت کے قوانین میں داخل تھی کہ فقر و فاقہ کے شاکی کو اس مقام کا حاکم یا کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کرے۔

اس کو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہو گیا کہ سن کر تعجب ہوتا ہے۔ سترہ سو بوڑھی عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اس کو پہنچاتی تھیں۔ لیکن مامون کے سوا کسی کو ان کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ مزید ہر صیغہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے اور ملک

---

[۵] تاریخ بنی عباس، معین الدین، ۱: ۱۱۸-۱۲۷۔

کا کوئی واقعہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شہر سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا تو مامون اس سے بالکل بری تھا۔ اس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ ڈالو۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اس کی کارروائی پر حرف آسکے۔ بخلاف اس کے اس محکمہ نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔ ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے۔ مامون نے بلا کر پوچھا کہ کتنے بچے ہیں۔ اس نے بڑھا کر تعداد بتائی۔ چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا اسکا جھوٹ نہ چل سکا دوسری بار اس نے پھر عرضی لکھی اور تعداد صحیح بیان کی اب مامون نے عرضی پر لکھ دیا کہ روزینہ مقرر کر دیا جائے۔

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربارِ عام کرتا تھا۔ جس میں خاص و عام کسی کے لیے روک ٹوک نہ تھی اور جہاں پہنچ کر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعوے ہوتا تھا۔ ایک دن ایک بڑھیا نے اس کے بیٹے کے خلاف زبانی شکایت پیش کی۔ مامون نے دونوں کو ساتھ بٹھا کر بیانات لئے۔ شہزادہ رک رک کر گفتگو کرتا تھا اور بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ لیکن مامون نے کہا کہ جس طرح آزادی سے کہتی ہے کہنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا کر دیا ہے آخر شہزادہ کے خلاف فیصلہ سنا دیا گیا۔

مامون کی آزاد پسندی نے اس کے عمال کو بھی اصول انصاف پسندی میں نہایت بیباک کر دیا تھا۔ ایک بار خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعوے کیا۔ جس کی جواب دہی کے لیے اس کو دارالقضا میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لاکر بچھایا۔ کہ خلیفہ اس پر تشریف فرما ہوں لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا یہاں آپ اور مدعی دونوں برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے برا نہ منایا بلکہ قاضی القضاۃ کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ مامون کی فیاضانہ زندگی پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے تو یہ کہ اس کا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے بڑھ گیا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ بدزبان شعرا اس کی ہجو میں لکھتے تھے۔ خود اس کے خدام گستاخیاں کرتے تھے لیکن اس کو مطلق پروا ہ

نہیں ہوتی تھی۔[1] (المامون شبلی: ۹۳ تا ۹۶ مطبوعہ دہلی)

مختلف وقتوں میں وزراء۔ خاندان خلافت۔ حکام اور عمال کی شکایت میں دادخواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامون نے ان پر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں ان میں سے چند اس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتا دیں گے۔ کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے تم کس میں ہو۔
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے دروازے پر تیرا شاکی موجود ہوگا تجھ کو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے۔
ابو عیسیٰ کی جو مامون کا بھائی تھا	فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یعنے جب نفخ صور ہوگا تو نسب جاتے رہیں گے۔
حمید طوسی کی نسبت	اے حمید تقرب درگاہ پر نہ پھولنا۔ حق میں تو اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں۔
ابن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا لیکن رعایا پر ظلم کرنا ہرگز نہیں برداشت کر سکتا ہوں۔
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اس کا ڈھا دینے والا ہے۔

[1] اللہ اللہ! کیا دور تھا کہ عوام خلیفہ کے حقوق کو غصب کرتے تھے یعنی خلیفہ نے اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مرتبہ اہل کوفہ اپنے عامل کی شکایت لے کر آئے۔ مامون نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ بہت عادل ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ پھر تو یہ ضروری ہوگیا کہ آپ تمام شہروں کو اس کے عدل کا حصہ دار بنادیں لیکن ہم کو اس کے عدل سے تین سال سے زیادہ نہ نوازا جائے۔ مامون یہ سن کر ہنس پڑا اور اس کو بدل دینے کا حکم صادر فرمایا۔[1]

امیر القوم خادمہم یعنی قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے اس کی روایت مامون نے کی اور اس پر اس کا عمل بھی تھا جیسا کہ شبلی نے واقعہ لکھا ہے۔ اسے یا اس کے مہمان کو رات کو پیاس لگتی تو خود پانی پلا دیتا۔ ملازم کو تکلیف نہ دیتا تھا۔

اس کے دور میں عوام کی آزادی اور جرأت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ وہ دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا سامنے قنات کھنچی ہوئی تھی کہ ایک کسان ادھر سے گذرا۔ یہ اہتمام دیکھ کر بلند آواز سے چلایا کہ مامون اپنے بھائی کو قتل کرکے ہم لوگوں کی نگاہوں میں کبھی معزز نہیں ہوسکتا۔ یہ سن کر مامون مسکرا دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا کہ تم لوگ کوئی ایسی تدبیر بتا سکتے ہو کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں۔ اس واقعہ سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایک دیہاتی کاشتکار بھی خلیفہ پر گرفت کرسکتا تھا اور اس کی عدالت میں بڑے سے بڑے کے خلاف شکایت کرکے اپنا حق حاصل کرسکتا تھا۔

خلیفہ معتصم | ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کیا اور کچھ لوگوں کو گرفتار کرلیا جن میں ایک عورت بھی تھی جس نے معتصم کی دہائی دی اور فریاد کی۔ معتصم کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ وہیں سے بولا: میں حاضر ہوا۔ میں حاضر ہوا۔ (لبیک۔ لبیک)

(بقیہ حاشیہ) حقوق تو نظر انداز کر دیئے تھے لیکن عوام کو پورے حقوق گرفت حاصل تھے۔ ایک آج کا جمہوری دور ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبر بھی سپیکر کے بغیر اجازت سوال نہیں کرسکتے۔ حال ہی میں ایک ممبر نے احتجاج میں اپنے کپڑے اتار ڈالے تب سپیکر نے کہیں جاکر اس کو بولنے کی اجازت دی۔ یہ بھارت کا واقعہ ہے۔

[1] کتاب الاذکیاء۔ ابن جوزی۔

[2] معین الدین ندوی: تاریخ بنی عباس ۱۰/۱۸۳، ۱۸۴۔

اور تخت سے اتر کر فوج میں کوچ کی منادی کرادی ۔ خود سفر کا معمولی سامان لے کر دربار عام میں آیا۔ قاضی وغیرہ کے سامنے وصیت لکھائی کہ میری جاگیر کا ایک ثلث اولاد کو ایک ثلث موالی کو اور ایک ثلث راہ خدا میں صرف کیا جائے۔ اس کے بعد رومیوں پر بڑے زور کا حملہ کیا ان کو شکست پر شکست دی اور اس عورت کو چھڑا کر لایا[1]

خلیفہ واثق اور خائن ماتحت واثق نے تمام خائن کاتبوں پر بڑے بڑے جرمانے کئے چنانچہ احمد بن اسرائیل سے ۸۰ دینار۔ ایتاخ ترکی کے کاتب سے چار لاکھ دینار ۔حسن بن وہب سے ۱۴ ہزار دینار۔ احمد بن حصیب اور اس کے کاتبوں سے ایک کروڑ دینار الخ اس طرح سے خیانت کا انسداد تو ہوگیا لیکن معین الدین ندوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد کسی رکن حکومت کی دولت محفوظ نہ رہی اور ضبطی ایک رسم بن گئی[2]

خلیفہ مہتدی اور قبۃ المظالم خلیفہ مہتدی نے بھی عمال کے جور و تعدی کا پورا انسداد کیا مذہبی اصلاحات کیں بقول خطیب اس سلسلے میں اس نے بڑے بڑے لوگوں کو سزائیں دیں۔ دفتر کی نگرانی اور جانچ خود کرتا۔ ہفتہ میں دو دن اتوار اور پنجشنبہ دفاتر کی جانچ کے لیے مخصوص تھے۔ کاتبوں سے اپنے سامنے حساب کراتا اور سب کی جانچ کراتا۔ مسعودی لکھتا ہے کہ جب مہتدی نے لوگوں کو سیدھے راستے چلانا چاہا تو عوام اور خواص سب ـــــ پر یہ گراں گذرا صالح بن علی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن مہتدی کی عدالت کا منظر دیکھا۔ دادخواہ نہایت آسانی سے اس کے پاس پہنچتے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے اس کے پاس جو استغاثے آتے تھے۔ ان کی دادرسی کے احکام جاری کرتا تھا۔ مجھے یہ منظر بہت پسند آیا۔[3]

مہتدی کی سیرت کا نمایاں رخ اس کا عدل و انصاف۔ زہد و تقوےٰ اور اوامر و نواہی

---

[1] محولہ بالا ص ۲۰۰ ۔ ابن اثیر۔ طبری وغیرہ۔

[2] معین الدین ندوی، تاریخ بنی عباس ۱: ۲۲۲۔

[3] تاریخ خطاب: ۳: ۳۴۹۔

کا قیام ہے۔ قیام عدل کے لیے اس نے خاص عمارت بنوائی جس کا نام قبۃ المظالم تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر ہر روز عوام و خواص کی داد رسی کرتا اور کسی کے ساتھ رعایت نہ کرتا۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کے بیٹے کے خلاف دعوےٰ کیا تو اس نے بیٹے کے خلاف فیصلہ دیا اور حق دلوا دیا اس پر کسی نے خلیفہ کی تعریف کی تو مہتدی نے کہا کہ میں قرآن پاک کی اس آیت نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ کو پڑھ کر اس مقام پر بیٹھا ہوں۔ اور یہ کہہ کر بے اختیار زار زار رو دیا[۱] وہ ہمیشہ روزے رکھتا اور افطار میں صرف روٹی۔ سرکہ اور روغن زیتون استعمال کرتا روزانہ رات کو رو رو کر حضرت علی کا ایک خطبہ دہرایا کرتا تھا۔

اسلامی مساوات

خلیفہ معتضد نے رد مظالم کے سلسلے میں زبردست کام کئے اور بڑی سختی کی۔ ایوان عدالت میں امراء و عمائد بلکہ خلیفہ تک کے سارے امتیازات اٹھ گئے۔ اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونے لگا۔ عدالت کی نظر میں خلیفہ اور عامی میں مساوات کا ایک زبردست واقعہ مورخین نے نقل کیا ہے۔ ایک امیر نے مختلف آدمیوں سے قرض لے رکھا تھا۔ انہوں نے قاضی ابو حازم کی عدالت میں دعوےٰ دائر کیا۔ معتضد کا بھی کچھ قرض اس کے ذمہ تھا۔ اس نے قاضی ابو حازم کے پاس کہلا بھیجا کہ اس شخص کے ذمہ میرا بھی قرض ہے۔ امید ہے کہ دوسروں کے ساتھ میرا بھی قرض دلایا جائے گا۔ قاضی ابو حازم نے جواب میں کہلایا کہ امیر المومنین اپنا وہ قول یاد کریں جو منصب قضا سپرد کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ "میں قضاء کا عہدہ اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال رہا ہوں" اس لیے اب مجھے اختیار نہیں ہے کہ محض دعوے پر بغیر شہادت کے کوئی فیصلہ کر دوں معتضد نے جواب میں کہلایا کہ فلاں فلاں دو ذی عزت آدمی میرے شاہد ہیں۔ ابو حازم نے پھر جواب دیا کہ شاہدوں کو عدالت میں آکر شہادت دینی چاہیے۔ میں جرح کروں گا۔ اگر شہادت سچی ثابت ہوئی تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ لیکن قاضی کی جرح کے خوف سے دونوں شاہدوں میں سے کسی نے شہادت نہ دی اور خلیفہ کو کچھ وصول نہ ہو سکا۔ ولم یدفع الی معتضد شیئا[۲]

---

[۱] سیوطی تاریخ الخلفاء ۱۱؛ ۳۷۱-۳۷۲ مطبوعہ مصر و خطیب و ابن عساکر وغیرہ

گویا اس دور میں خلیفہ کی حق تلفی تو ہو سکتی تھی عام آدمی کی حق تلفی نہیں ہو سکتی تھی

معتضد ان سرکشوں کے بارے میں سخت گیر تھا جو نرمی سے قابو میں آنے والے نہ تھے ورنہ وہ عام طور سے حالات کی اصلاح کے بارے میں سیاست سے کام لیتا تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ سفر پر جا رہا تھا۔ راستہ میں اسکے چند فوجیوں نے کھیت سے ککڑیاں توڑ لیں۔ کھیت کے مالک نے شور مچایا۔ معتضد کو اطلاع ہوئی تو اس نے کھیت والے سے پوچھا کہ تم انکو پہچان سکتے ہو چنانچہ مالک نے تین فوجیوں کو پہچان لیا۔ خلیفہ نے ان کو قید کرا دیا۔ صبح کو لوگوں نے تین لاشیں پھانسی پر لٹکتی دیکھیں۔ اس پر چہ میگوئیاں ہوئیں معمولی جرم پر پھانسی دیدی گئی۔ کچھ عرصے بعد رات کو خواص کی مجلس میں ایک شخص نے کچھ کہنا چاہا تو خلیفہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں جو تم کہنا چاہتے ہو دراصل جنکو پھانسی دی گئی وہ ڈاکو اور قاتل تھے۔ لیکن ظاہر یہ کیا گیا کہ ککڑیاں چرانے والوں کو پھانسی دی گئی تاکہ پھر کسی فوجی کو کھیت سے چوری کرنے کی ہمت نہ ہو اس کے بعد قید سے فوجیوں کو لاکر دکھا بھی دیا تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ پھر فوجیوں سے توبہ کرکے ان کو انکے مقام پر بھیج دیا[1]

ہسپانیہ میں ردمظالم

ہسپانیہ کی ردمظالم کی تاریخ بڑی دلچسپ اور حیران کن ہے لیکن اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ اب ہم چند واقعات درج کرتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی دور میں قاضیوں کو کتنی آزادی حاصل تھی اور یہ کہ وہ انصاف اور ردمظالم کی خاطر سربراہان مملکت کی گواہی بھی رد کر دیا کرتے تھے۔

امیر حکم بن ہشام کے ایک قاضی محمد بشیر معاذی نے (جو امام مالک کے معاصر تھے) وزیر ابن فطیس کے خلاف فیصلہ دیا۔ مقدمہ کے دوران جو گواہ عدالت میں پیش ہوئے تھے ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ کیا۔ وزیر نے یہ معاملہ امیر کے سامنے پیش کر دیا۔ حکم نے قاضی کو لکھا کہ وزیر کو یہ اعتراض ہے کہ آپ نے بعض گواہوں کے بیانات کے بموجب اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے لیکن اسے

[1] ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۱۱ : ۸۶، ۸۷۔

بالکل علم نہیں کہ اس کے خلاف کون کون سا گواہ پیش ہوا تاکہ وہ ان پر جرح کر کے اپنی صفائی پیش کر سکتا قاضی نے جواب دیا کہ وزیر کے عہدے اور شخصیت کے پیش نظر میں نے گواہوں کو اس کے سامنے پیش کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ گو وہ عدالت میں تو اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا لیکن بعد میں انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنا سکتا تھا اور وہ غریب محض اس قصور کی پاداش میں کہ انہوں نے وزیر کے خلاف گواہی دی مارے جاتے۔ اس قسم کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں قاضیوں کو اپنے دائرہ اختیار میں قول و فعل کی اس قدر آزادی تھی کہ آج کل کی متمدن اور مہذب اقوام اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔[1]

امیر عبدالرحمٰن الداخل کے بیٹے سعید الخیر کا کوئی مقدمہ قاضی ابن بشیر کی عدالت میں پیش تھا۔ اس نے پیروی کے لیے وکیل مقرر کیا۔ اتفاق سے وقوعہ کے گواہوں میں سے سوائے امیر الحکم (بادشاہ وقت) اور ایک اور شخص کے اور کوئی بقید حیات نہ تھا۔ موخر الذکر نے تو سعید الخیر کے حق میں گواہی دے دی۔ دوسرے گواہ (امیر الحکم) کو قاضی نے اگلی پیشی پر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ سعید الخیر بادشاہ کے پاس آیا اور اسے شہادت دینے کو کہا۔ اگرچہ حکم کو اپنے چچا (سعید الخیر) کا بہت پاس تھا لیکن اس نے شہادت دینے میں تامل کا اظہار کیا اور کہا: "چچا ہم دنیا دار لوگ ہیں اور شہادت دینے کے اہل نہیں ہیں۔ اگر میری گواہی جھوٹی تو قاضی کے ہاتھوں کہیں ہمیں ذلت و خواری کا منہ نہ دیکھنا پڑے اور ہم سارے ملک میں ذلیل ہو جائیں۔ اس لیے میری شہادت کو رہنے دو اور مقدمہ جس طرح چلتا ہے چلنے دو۔"

سعید الخیر کہنے لگا: "سبحان اللہ آپ نے بھی عجیب بات کہی بھلا قاضی کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کا ماتحت ہو کر آپ کی شہادت رد کر دے۔" چچا کے اصرار پر مجبور ہو کر امیر الحکم نے دو فقہاء کو بلایا اور کاغذ پر گواہی لکھ کر اس پر اپنی مہر لگائی اور کاغذ ان دونوں کو دے دیا۔ اگلے روز قاضی نے گواہی کا کاغذ وصول کر لیا۔ بعد میں جب سعید الخیر کا وکیل حاضر ہوا تو دلائل کے دوران قاضی نے وہ کاغذ منگایا اور وکیل سے کہا کہ "میں یہ گواہی قبول نہیں کر سکتا کوئی عادل گواہ لاؤ۔"

---

[1] تاریخ القضاء فی الاسلام: ۵۶ طبع لاہور۔

وکیل یہ سن کر حیران و ششدر رہ گیا اور سعید الخیر کے پاس جاکر تمام واقعہ سنا دیا۔ یہ سن کر اسے بہت طیش آیا اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر حکم کے پاس پہنچا اور کہا: "ہماری عزت و وجاہت خاک میں مل گئی۔ اس نالائق قاضی نے آپ کی گواہی کو بھی رد کر دیا۔ اسے فوراً معزول کر دیجیے وغیرہ وغیرہ"۔

لیکن بادشاہ نے جواب دیا: "میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ میری گواہی مت رکھو قاضی نیک اور پارسا آدمی ہے۔ فرض کی ادائیگی میں وہ کسی شخص کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ اللہ اسے اس کا بہترین اجر دے"۔ یہ سن کر سعید الخیر کو اور غصہ آیا لیکن بادشاہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے تمہارے اصرار پر اپنی شہادت قلمبند کرا دی تھی۔ لیکن میں عدالت کے معاملات میں دخل نہ دوں گا اور قاضی کو معزول کر کے مسلمانوں کی خیانت نہ کروں گا"

ادھر جب قاضی ابن بشیر سے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا کہ امیر کی شہادت کو رد کر دیا تو انہوں نے جواب دیا۔

جب کوئی شخص شہادت دیتا ہے تو اس پر عدالت اور فریق مخالف کی طرف سے جرح بھی ہوتی ہے۔ اگر میں امیر کی شہادت قبول کر لیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف اس پر جرح کرنے کی جرأت نہ کرتا اور خواہ شہادت واقعہ کے مطابق ہوتی یا نہ ہوتی لیکن اسے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا۔ میں مدعی علیہ کے حقوق غصب کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے میں نے امیر کی شہادت کو رد کر دیا۔

کیا ہی مبارک وہ زمانہ تھا جس میں ایسے عادل اور منصف قاضی اور ایسے پاک طینت امیر اور حاکم موجود تھے۔ ہر شخص کے پیش نظر رعایا کی فلاح و بہبود تھی اور ہر دل میں خدا کا خوف جاگزیں تھا۔ قاضی جس کو حق سمجھتا تھا اسے اختیار کرنے میں اسے کوئی طاقت نہ روک سکتی تھی اور امیر کے دل میں اس کی عزت و وقعت اور احترام و محبت کم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھ جاتی تھی[1]

خراساں کا والی قاضی ایاس کے پاس کسی مقدمہ میں شہادت دینے آیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ یہ آپ کا کام نہیں یہ تو عوام کا کام ہے۔ اس پر وہ بغیر شہادت دیے واپس چلا گیا۔ کسی نے

[1] محولہ بالا ص ۵۹، ۶۰، ۶۱۔

والی سے کہا کہ دراصل قاضی نے تم کو دھوکہ دیا ہے دراصل وہ تم کو ثقہ نہیں سمجھتا[1] لیکن دھوکہ والی بات درست نہیں ۔ قاضی ایاس نے اسی لیے والی کی شہادت نہ لی کہ کسی عامی کو اس پر کما حقہ جرح کی جرأت نہ ہوگی اور پھر والی کا کسی فریق کے حق میں شہادت دینا علانیہ طور پر سفارش کے مترادف بھی ہے بہت سے لوگ والی کی رضامندی کے لیے پھر اس فریق کی طرف داری کریں گے ۔ اس لیے والی کو شہادت سے دور رہنا چاہیے چونکہ عورتوں کو اسلام میں ۔ وی ۔ آئی ۔ پی کا درجہ حاصل ہے اس لیے ان کا بھی عدالت میں جا کر گواہی دینا اسلام میں اچھا نہیں سمجھا جاتا بلکہ مجبوری کی حالت میں قاضی یا اس کا نمائندہ پردہ دار عورت کے گھر جا کر گواہی لیتا ہے ۔

حکمران کو ظلم سے باز رکھنے کی دلچسپ عملی مثال

سپین کے الحکم میں باپ کے مثل عدل گستری تھی ۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیتا تھا ۔ خلیفہ کے محل کی توسیع میں بیوہ کی جائداد آ گئی ۔ اس کو کافی رقم پیش کی گئی لیکن موروثی جائداد کی وجہ سے بیوہ نے انکار کیا اور میر عمارت نے اس کی مرضی کے بغیر زمین لے کر محل کی توسیع کر دی ۔ عورت نے قاضی کے سامنے فریاد کی ۔ قاضی نے اسے تھوڑا صبر کرنے کو کہا ۔ جس روز خلیفہ الحکم پہلی دفعہ توسیع کو ملاحظہ کرنے گیا تو قاضی صاحب بھی ایک گدھا اور خالی بوری لے کر وہاں پہنچ گئے ۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی نے کہا کہ امیر المومنین اس زمین کی مٹی مجھے چاہیے ۔ اجازت ہو تو لے لوں ۔ خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی ۔ قاضی نے بوری مٹی سے بھر کر خلیفہ سے گدھے پر لادنے کے لیے معاونت کی درخواست کی ۔ خلیفہ اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا ۔ چنانچہ دونوں مل کر بوری اٹھانے لگے ۔ بوری بھاری تھی ۔ اٹھ نہ سکی اور خلیفہ ہانپ گیا ۔ اس پر قاضی نے کہا کہ سرکار اس بوجھ کو تو آپ اٹھا نہ سکے تو انصاف کے دن یعنی قیامت کو یہ زمین جو بڑھیا سے بغیر رضامندی لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائیں گے ۔ کیونکہ خدا کے سامنے وہ بڑھیا دعوے ضرور کرے گی ۔ شاہ الحکم آبدیدہ ہو گیا اور میر عمارت کو حکم دیا کہ فوراً بڑھیا کی زمین اس کو واپس کر دو اور محل کا وہ حصہ مع ساز و سامان کے اس کو دے دیا جائے

---

[1] شہیر ارسلان ، القضاء والقضاۃ ، ۱۹۹ ۔

غرضکہ بڑھیا مالامال ہوگئی۔ ؎۱

خزانچی کا بادشاہ کو بیت المال سے رقم دینے پر دوبارانکار

ہسپانیہ کا عبدالرحمٰن الثانی اپنے ماتحتوں کی جرح بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ نے ایک مغنی کیلیئے خزانچی کو رقعہ رکھا کہ تیس ہزار دینار دیئے جائیں خزانچی نے بادشاہ کے رقعہ پر یہ لکھ کر لوٹا دیا کہ عوام کے خزانہ سے گویوں کو اتنی بڑی رقم نہیں دی جا سکتیں۔ اسپر بادشاہ نے خزانچی کا شکریہ ادا کیا۔ ایک مرتبہ اس نے خزانچی کو رقعہ لکھا کہ میری ملکہ طروب کو ایک لاکھ دینار دیدیئے جائیں۔ اس پر خزانچی نے بڑا سخت جملہ لکھا کہ یہ خزانہ عوام کا ہے۔ بادشاہ کی باندیوں کو اس سے خوش نہیں کیا جا سکتا۔ طروب پہلے باندی ضرور تھی لیکن اب ملکہ بن چکی تھی۔ لیکن بادشاہ نے یہ جرح قبول کرلی۔ خزانچی کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ پھر کبھی ایسا رقعہ نہ لکھا ؎۲

درحقیقت خزانہ عامرہ سے فضول خرچی کرنا بھی ظلم ہے۔ اور اس ظلم کا روکنا ہر کلمہ گو پر فرض ہے چاہے وہ گورنمنٹ کا ملازم ہو یا عامی ہو یا عالم ہو۔ حضرت عمرؓ کو طبیب نے شہد تجویز کیا تو آپؓ نے مسجد میں کھڑے ہو کر بیت المال سے شہد لینے کی عوام سے اجازت طلب کی۔ ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر رقم کثیر صرف کی تو عام ناراضگی پھیل گئی لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کا یہ مصرف نہیں ؎۳ سب پہلے عبدالملک بن مروان نے جور و تعدی کے واقعات کی تفتیش کرنے کیلیے ایک دن مقرر کیا وہ قابل تصفیہ مقدمات قاضی ابوادریس کے حوالے کر دیتا تھا چونکہ خلیفہ واقعات و اسباب سے باخبر ہوتا تھا۔ اس کے خوف سے قاضی ابوادریس کے احکام اور فیصلے فوراً نافذ ہوتے تھے مگر قاضی بحیثیت کارکن ہوتا اور حکم خلیفہ کا ہوتا تھا۔ اس کے بعد حکام و رؤسا بھی ستم شعاری کرنے لگے نہایت قوی اور بارعب فرماں روا کے بغیر کام چلنا دشوار ہوگیا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

؎۱ انتظام اللہ شہابی، خلافت ہسپانیہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔

؎۲ رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ۱۷۱ھ ۱۸۰ء بحوالہ افتتاح اندلس، ۶۸۔

؎۳ شبلی، الفاروق، ۱۱، ۱۶۷۔

سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے جور و تعدی کے فیصلے خود کرنے شروع کئے اور مقتضائے انصاف کے مطابق ہر شخص کا حق دلایا۔ بنو امیہ کی ناانصافیوں کی تلافی کی۔ اکثر خلفاء عباسیہ بھی اس کا اہتمام کرتے رہے۔ سب سے پہلے مہدی اور پھر ہارون پھر مامون اور سب کے بعد مہتدی دادرسی کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ املاک حق دار اور مستحقین کے پاس پہنچ گئیں۔[1]

ہندوستان میں دیوان المظالم ہندوستان کے دور سلاطین کے متعلق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ قاضی ممالک چیف جسٹس تھا۔ ملک میں شرع کا نفاذ اسی کے ذمہ تھا۔ اسی کے ساتھ وہ صدر الصدور کا عہدہ بھی رکھتا تھا اور وزارت مذہبی اور تعلیم کے محکمہ جات بھی اسی کے ماتحت ہوتے تھے اس کے علاوہ دوسرا عہدہ دار امیر داد کا تھا۔ یہ قاضی کے فیصلوں کے نفاذ کا ذمہ دار تھا۔ اور اس کا ذمہ دار بھی تھا کہ مجرم قاضیوں کی عدالت میں حاضر ہوں۔ سلطان کی غیر حاضری میں یہ مظالم کی عدالت کی صدر نشینی بھی کرتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب[2] میں لکھتے ہیں کہ امیر داد قاضیوں کے فیصلوں پر عملدرآمد کرواتا اور سلطان کی غیر موجودگی میں عدالت مظالم کی صدارت بھی کرتا تھا۔

کوتوال پولیس کے محکمہ کا ہیڈ تھا محتسب عوام کے اخلاق اور کردار کا نگران اور محتسب تھا وہ قانون اور شریعت کی خلاف ورزیوں کو روکتا تھا۔ اور جو باتیں عوام کے لیے تکلیف دہ ہوں ان کو بھی محتسب روکتا تھا۔ محتسب ہی قیمتوں پر کنٹرول رکھتا تھا محتسب۔ کوتوال اور امیر داد تینوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے مل جل کر کام کرتے تھے۔ دیوان مظالم کو حضرت علیؓ نے شروع کیا۔ عباسی خلفاء خود دیوان مظالم کی صدارت کرتے یا انکے وزیر کرتے۔ ہندوؤں کے ہاں بھی یہ اصول تسلیم تھا کہ راجہ عوام کی شکایت خود سنے۔ طبقات ناصری میں ہے کہ امیر داد دیوان مظالم کی صدارت کرتا تھا لیکن ایسا جب ہوتا تھا جبکہ بادشاہ خود موجود نہ ہوتا۔ بقول ابن بطوطہ محمد بن تغلق ہر جمعرات اور پیر کے دن شکایات سنتا تھا۔ سکندر لودھی کے زمانے میں وزیر دیوان مظالم کی صدارت کرتا انکے پاس قاضی بمع بارہ قابل فقہاء کے مدد کیلیے موجود رہتے جب سلطان باہر نکلتا تو اسوقت بھی عامی لوگ اپنی تحریری شکایات پیش کرسکتے تھے۔ شکایت پہلے حاجب کے پاس جاتی۔ پھر مشکل حل نہ ہوتی تو قاضی ممالک کے پاس جاتی تھی دادرسی کا آخری مقام خود سلطان ہوتا تھا جس تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ بادشاہ سے شکایت بہت موثر ثابت ہوتی تھی۔

---

[1] الماوردی: الاحکام السلطانیہ: الباب السابع فی ولایۃ المظالم: ۷۷ تا ۷۸
[2] آئی ایچ قریشی: ایڈمنسٹریشن آف دی سلطینٹ آف دہلی: ۱۰ تا ۱۱۔

یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرض خواہ مقروضوں کو لا کر محل کے سامنے کھڑا کر دیتے تھے۔ [1]

مذکورہ بالا بیان سے جو دیوان مظالم کے عنوان کے تحت قریشی صاحب نے لکھا ہے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ صرف بڑے لوگوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ عام لوگوں حتی کہ عام قرضہ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف شکایات بھی دیوان مظالم میں دائر ہوتی تھیں اور عام قرضہ وصول نہ ہونے پر بھی ناظر مظالم بلکہ بادشاہ تک سے دادرسی طلب کی جا سکتی تھی۔ گویا ہر عامی کو جس معاملے میں بھی دقت پیش آتی اور اسے انصاف طلبی میں ذرا بھی دقت یا تاخیر ہوتی تو وہ دیوان المظالم کا دروازہ کھٹکھٹاتا تھا۔ اسی وقت سے چھوٹے چھوٹے قاضی بھی انصاف میں تاخیر نہ کرتے تھے کہ کہیں ناظر مظالم تک تاخیر کی اطلاع ہونے پر ان سے جواب طلب نہ کر لیا جائے۔

ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں کہ آئین اکبری میں ہے کہ بنیادی تقرری قاضی کی ہوتی تھی لیکن اگر معلوم ہو کہ علم اور فیصلہ کے نفاذ کی قوت ایک شخص میں نہیں پائی جاتی ہیں تو ایک میر عدل بھی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ درحقیقت اہم شہروں میں میر عدل مقرر کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد اہمیت میں قاضی مظالم کا نمبر آتا ہے۔ اس سلسلے میں قریشی صاحب نے بعثت سے پہلے کے حلف الفضول کا ذکر کیا ہے اور نویری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظالم کے مقدمات سننے کے لیے بھی بیٹھا کرتے تھے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ مغل بادشاہ اپنے رعایا کے حالات جاننے کے لیے بہت تگ و دو کیا کرتے تھے۔ اکبر ہر صبح جھروکہ میں بیٹھ جاتا تھا اور جس کو شکایت ہوتی وہ عرضی کا کاغذ ہاتھ سے بلند کرتا اور اسے فوراً بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا اور مقدمات شرع کے مطابق فیصل کئے جاتے تھے۔ شاہان مغلیہ ہفتہ میں ایک دن مظالم کے مقدمات سنا کرتے تھے اس موقعہ پر عدالت کے افسران۔ قاضی عساکر۔ فقہاء وغیرہ موجود رہتے تھے دیوان مظالم میں اور باتوں کے علاوہ سرکاری افسروں کی بے اعتدالیاں اور بے انصافیاں زیر بحث آتی تھیں۔ ناظر مظالم کے لیے عام عدالتوں کی باریکیوں اور قانونی موشگافیوں کی پابندی ضروری نہ سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس طریق کار سے انصاف کے نفاذ میں مدد ملتی تھی۔

عام قضاء کی عدالت قانونی پابندیوں کے اندر کام کرتی تھی لیکن عدالت مظالم کا دائرہ کار وسیع تھا اور وہ عوام کی بھلائی کی خاطر عام قوانین کے علاوہ بھی ایکشن لے سکتی تھی۔ ایک جدید قول کہ دیوان مظالم دراصل کورٹ آف اپیل کا دوسرا نام ہے کسی حد تک درست ہے۔

---

[1] محولہ بالا صفحہ ۱۵۸ تا ۱۵۹۔ دیکھیے سرخی "دیوان المظالم"۔

اگر قاضی اپنے محدود اختیارات کی وجہ سے کسی کیس کے حل کرنے میں ناکام رہتا تو ایسا کیس دیوان مظالم میں آتا کیونکہ تفتیش کے بعض طریقے ایسے ہوتے ہیں جن کو حکمران ہی استعمال کر سکتا ہے اور واقعات اور گواہیوں کو جمع کرنے اور پرکھنے کے بعض کام حکمران ہی کے دائرہ اختیار میں ہوتے ہیں لیکن یہ واضح ہے کہ بادشاہ شرع سے تجاوز نہ کر سکتا تھا۔[1] ماوردی نے دس باتیں گنوائی ہیں جن سے ناظر مظالم اور عام قاضی کے طریق کار کے فرق کا پتہ چلتا ہے۔ ہم نے آگے جا کر ان کو مفصل بیان کیا ہے جس سے فرق مزید واضح ہو جائے گا۔

ویسٹ پاکستان اور نائیجیریا کے سابق جج ہائیکورٹ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں مسلم حکمران کو ہندوستان میں خدا کا ادنٰی غلام سمجھا جاتا تھا جسے عوام کچھ فرائض کی انجام دہی کے لیے چنتے تھے اور اگر وہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے مسلم قاضی اگر قانون الٰہی کے خلاف حکم دے یا قانون الٰہی کے خلاف نظریہ رکھتا ہو تو کافر و مرتد ہو جائے گا اور اس کی سزا موت اور ابدی عذاب ہوگا۔ جج صاحب کے الفاظ یوں ہیں،

A Muslim Qadi giving an order or holding a view in contravention of Divine law was a Kafir apostate and liable to sentence of death[2]

جج موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اگر کوئی عامی ناجائز گرفتار کر لیا جاتا تو پولیس افسر اس کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اور اس سے ہرجانہ وصول کیا جاتا تھا۔ جہانگیر کے دور حکومت میں پولیس کے کوتوال نے اپنے کسی ذاتی مقصد کے لیے ایک سپاہی کو مجبور کیا کہ وہ ڈیوٹی کے بہانہ گھر سے باہر رہے۔ سپاہی کی ماں نے فوراً جا کر جہانگیر کی زنجیر عدل ہلا دی۔ پس فوراً کوتوال کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔[3] عالمگیر کے دور حکومت میں ایک عورت نے ایک فوجدار کی شکایت

---

[1] اشتیاق حسین قریشی، ایڈمنسٹریشن آف دی مغل ایمپائر، ۱۹۲، ۱۹۴، ء۔

[2] State VS. Qadi Mir Stria 17, 118-119

[3] جوڈیشل سسٹم آف مغل ایمپائر مصنفہ محمد بشیر احمد سابق جج ہائیکورٹ ویسٹ پاکستان ۴۳، ۴۴۔

[4] محولہ بالا صفحہ ۵۰۔

کی تو فوراً اس کو تبدیل کر کے دوسرے مقام پر بھیج دیا گیا[1] قاضی کے لیے متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری تھا۔ علاء الدین خلجی کے زمانے میں ایک قاضی نے شراب پی تو اس پر مقدمہ چلا چلا کر اسے موت کی سزا دی گئی[2] برنی کے بقول سلطان قطب نے نااہل شخص کو قاضی مقرر کیا تو عوام اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف قاضی بلکہ بادشاہ کو بھی قتل کر ڈالا[3]

ابن حسن مغلیہ بادشاہوں کے متعلق لکھتے ہیں: باب دوئم میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہان مذکور کس طرح اپنی رعایا کے غریب ترین افراد کو باریابی کا موقع دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی مقدمات کی سماعت بادشاہ دربار عام میں روزانہ کرتا تھا۔ لیکن اہم مقدمات کی سماعت جن میں گواہوں کی شہادت لینا اور ان پر جرح کرنا ضروری ہوتا وہ ہفتہ میں صرف ایک دن کرتا تھا جو محض عدل گستری کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ دوسرے باب میں مذکور ہو چکا ہے کہ اکبر نے پنجشنبہ جہانگیر نے سہ شنبہ اور شاہ جہاں نے چہارشنبہ مخصوص کر رکھا تھا۔ اکبر کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ "وہ باب عدل کھولتے اور دربار عام منعقد کرتے ہیں۔ مظلوموں کے مقدمات کی تفتیش کے دوران وہ کسی شخص کی شہادت یا قسم پر اعتماد نہیں کرتے کیونکہ چالاک اشخاص انہی چیزوں کا سہارا لیتے ہیں بلکہ وہ بیانات کے تضاد۔ قیافہ شناسی۔ قوت دقیقہ رسی اور فکر بلیغ کے ذریعے نتیجہ نکالتے ہیں۔ ان کی عدالت مرکز صداقت ہے اور اس کام میں کم از کم ڈیڑھ پہر یعنی ساڑھے چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ یہی بات ہاکنز نے بھی جہانگیر کی متعلق لکھی ہے۔ ڈیلا شٹ جہانگیر کی ہفتہ وار عدل گستری کا ذکر یوں کرتا ہے "ہفتے میں ایک بار (سہ شنبہ کو) وہ کرسی عدالت پر بیٹھتا اور نہایت سکون کے ساتھ تمام دیوانی و فوجداری مقدمات جو اس کے حضور پیش ہوتے سماعت کر کے فیصلہ کرتا۔ وہ دارالقضاۃ میں ہفتے میں ایک دن اور بھی اپنے دونوں قاضی القضاۃ کے ساتھ ضرور موجود

---

[1] محولہ بالا ص ۱۷

[2] ؍ ؍ ؍ ۶۵

[3] ؍ ؍ ؍ ۲۶

رہتا۔ برنیر لکھتا ہے کہ اورنگزیب ہفتے میں ایک دن اور بھی تخلیے میں دو گھنٹے ادنی طبقوں سے منتخب کیے ہوئے دس اشخاص کی عرضداشتیں سنتا ہے۔ برنیر بھی اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے ان معمولات میں کبھی فرق نہ پڑتا تھا شاہان ہند دارالحکومت کی طرح میدان جنگ میں بھی چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ بلاناغہ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ دیوانی مقدمات میں صرف پیچیدہ یا اہم مقدمات بادشاہ کے ہاں پیش ہوتے۔ لیکن فوجداری مقدمات میں اس قسم کی کوئی قید یا رکاوٹ نہ تھی۔[1]

بڑے لوگوں سے خون بہا کی رعایت ختم

اکبر کے منظور نظر گورنر اور بچپن کے ساتھ کھیلے ہوئے خان اعظم میرزا عزیز نے جب وہ گجرات کا گورنر تھا اپنے ایک عامل کو خیانت کے جرم میں گرفتار کر کے اپنے ایک ملازم کے حوالے کیا۔ وہ ملازم عامل کے خلاف دل میں کینہ رکھتا تھا۔ لہٰذا ملازم کے ایما پر اسے اتنا مارا گیا کہ وہ مر گیا خان اعظم کے علم میں جب یہ بات آئی تو قصاص میں ملازم کو قتل کرا دیا۔ لیکن بعد میں عامل کا باپ ایران سے دادرسی کے لیے بادشاہ کے ہاں آیا تو اگرچہ قاتل کو قصاص میں قتل کرا دیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ معاملے میں خان اعظم کی ہستی بھی شامل کی جا سکتی تھی اس لیے خان اعظم سے عامل کے باپ کو مزید خون بہا بھی دلوا دیا گیا۔ یعنی ملازم قصاص میں مارا گیا اور گورنر کو بھی ساتھ خون بہا دینا پڑا۔[2]

مؤرخ سراج عفیف لکھتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتا تھا اور فوراً ان سے قصاص لیتا تھا۔ یوسف بقرا جو بڑا صاحب جاہ و مراتب تھا اس کے بیٹے نے قتل کیا تو مقتول کی والدہ نے بارگاہ شاہی میں فریاد کی اور بادشاہ بہت حیران ہوا کیونکہ قاتل دربار شاہی کے مقربان میں شمار ہوتا تھا اور بادشاہ اس پر بہت مہربان تھا۔ فیروز شاہ نے بے حد غور و فکر کے بعد حکم دیا کہ بر سر دربار مجرم کو قتل

---

[1] ابن حسن: دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی: ۴۷۱-۴۷۵

[2] حوالہ بالا: ۴۸۲، ۴۸۳

کیا جائے۔ غرضکہ اس سے قصاص لیا گیا اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں خزانے میں خواجہ احمد نویسندہ سے کی خدمت پر معمور تھا۔ یہ شخص ایک طالب علم سے بدگمان ہو گیا اور اسے عاشق تصور کیا پھر اس نے اپنے دو غلاموں سے مل کر اسے قتل کر دیا۔ لاش پل پر پھینک دی۔ کپڑے خون آلودہ دھوبی کو دھونے کے لئے دیدئے۔ بادشاہ صبح سیر کرتا ہوا نکلا تو پل پر لاش دیکھ کر کوتوال کو طلب کر کے کہا کہ قاتل کا نشان نہ ملا تو تجھ کو قتل کر دیا جائیگا۔ شک کی بنا خواجہ احمد کو حاضر کیا گیا لیکن اس نے غرور و تکبر میں جرم سے انکار کیا۔ آخر خواجہ کی کنیزوں اور غلاموں سے دریافت کیا گیا تو غلاموں نے حقیقت بیان کر دی لیکن خواجہ نے غلاموں کو جھوٹا قرار دیا آخر دھوبی سے کپڑا طلب کیا گیا تحقیق پر قصابوں نے بتایا کہ کپڑے پر زرد رنگ کے داغ ہیں جو جانور کے نہیں بلکہ انسانی خون کے ہی ہو سکتے ہیں آخر کار خواجہ احمد قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ خون بہا اسی ہزار تنکے ادا کروں گا۔ خاں جہاں نے خون بہا کی پیشکش کی تو بادشاہ نے کہا اے خان جہاں جس کے پاس دولت وافر ہوگی وہ اسی طرح بے گناہوں کو قتل کرائیگا اور دیت دیکر مجرم رہا ہوتے رہے تو مخلوق خدا کو بے حد دقت پیش آئیگی اور مجھے قیامت میں خدا کے سامنے شرمندگی و ندامت ہوگی۔ جاں جہاں نے عرض کیا کہ خزانہ شاہی کے لاکھوں روپے کا حساب خواجہ کے ذمے ہے اگر چند روز قصاص میں توقف فرمادیں تو بیت المال کا معاملہ صاف ہو جائے فیروز شاہ نے فرمایا کہ میں خزانہ کے لکھو کھا روپے سے باز آیا۔ غرضکہ فوراً بلا تاخیر خواجہ اور اس کے دونوں غلاموں سے خاص و عام کے روبرو قصاص لیا گیا[۱] لکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب مذکورہ بالا قرآنی آیت ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ بلبن نے بھی بدایوں کے حاکم کو قصاص میں قتل کرایا اور لاش شہر کے دروازہ پر لٹکوا دی تاکہ امراء اس کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں[۲] اسی وجہ سے گجرات کے احمد شاہ نے وارثوں سے دوگنی دیت قبول نہ کی اور اپنے داماد کو قصاص میں قتل کرا کے ایک روز اس کی لاش سر عام لٹکوائی تاکہ ظالم عبرت حاصل کریں[۳] اس سیاست پر ہم منہاج کے عدل نمبر میں فقہ

---

[۱] سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہ: ۳۲۶ تا ۳۲۹۔ اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی۔

[۲] صباح الدین: ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں: ۱: ۷۵۔

[۳] محولہ بالا صفحہ ۱۶۵ تا ۱۵۵۔

علی مذاہب الاربعہ کے حوالے سے گفتگو کر چکے ہیں۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی کو مال کے لالچ میں قتل کرے تو اجماعاً وارث قاتل کو معاف نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی خصومت کی وجہ سے قتل کیا جائے تو معاف کر سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: فان الذی یقتل شخصا لاجل المال یقتل حتما باتفاق العلماء ولیس لورثۃ المقتول العفو عنہ بخلاف من یقتل شخصا لغرض خصومۃ بینھما پس اصولوں کو۔ سمجھ لینا چاہیے یہ اسلام کے قوانین کے ابدی اور لائق ترین ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہ اسلامی سیاست ہے جس کی وجہ سے ہی احمد شاہ نے جو شریعت کی روح کو سمجھتا تھا بیٹی کو بیوہ کر لیا مگر منشائے انصاف و اسلام کو مجروح نہ ہونے دیا۔ اس نے ایک سرکاری افسر کو قصاص میں قتل کروا کر اس کی لاش کی نمائش کی۔ احمد شاہ کے ۳۲ سالہ دورِ حکومت میں صرف یہی دو قتل ہوئے۔ وہ بیواؤں۔ محتاجوں یتیموں کو خود روزینے تقسیم کرتا تھا[2] ہسپانیہ کے منصور نے امنِ عامہ کی خاطر ایک بیٹے کو قربان کر دیا اور دوسرے کو عدل کے تقاضے پر موت کی سزا دی۔ ابن حسن لکھتے ہیں اسی طرح لوگوں کو سخت حیرت ہوئی جب اکبر نے گجرات میں ایک زبردست فوجی سردار ججر خان کو ایک شخص کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت دی حالانکہ مفتوحہ علاقے پر ابھی پوری طرح قابو حاصل نہ ہوا تھا۔ مقتول کی ماں اکبر کے پاس دادرسی کے لیے حاضر ہوئی اور اکبر نے قصاص میں فوجی سردار کو قتل کرا دیا اس بوڑھی اور بیکس عورت کے خیال میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی ہو گی کہ اتنے بڑے ذی اثر آدمی کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی۔

اسی طرح ایک گورنر کے ملازمین کے متعلق شکایت گذری کہ وہ زیردستوں پر سختی کرتے ہیں۔ جہانگیر نے گورنر کو اس کی شکایت لکھی تو اس نے جواب میں تحریری وعدہ کیا کہ اگر میرے ملازم تعدی سے باز نہ آئے تو میں سر قلم کرا دوں گا۔ جہانگیر نے اسی الزام میں دو گورنروں کو معزول بھی کیا۔ امیر خان عالم کے برادر زادہ نے ایک غیر معروف شخص کو جس کا نام بھی تحریروں میں نہیں ملتا قتل کر دیا۔ چنانچہ اسے فوراً سزائے موت دی گئی۔ اس سلسلے میں جہانگیر لکھتا ہے کہ حاشا وکلا ایسے معاملات میں میں نے کسی شہزادے کی بھی کبھی رعایت نہیں کی امراء و عوام کس شمار میں ہیں

---

[1] ابن تیمیہ، الحسبۃ فی الاسلام ۳۸، مطبوعہ دمشق۔

[2] رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران ۶۰۱

پادری مانسریٹ اکبر کے متعلق لکھتا ہے کہ امورِ سلطنت میں بادشاہ حق و انصاف کا بے انتہا لحاظ رکھتا ہے مسلمانوں کے دستور کے مطابق مقدمات دہرے طریقے سے دو ججوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ تاہم شاہی ہدایت کے مطابق تمام اہم مقدمات فوجداری نیز ایسے مقدمات دیوانی جو واقعی اہم ہوں خود بادشاہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ اکبر اور اس کے جانشینوں نے اسلامی مملکت کے اس ڈھانچے کو من وعن برقرار رکھا جو مسلمان فقہاء نے معین کیا تھا اور نظام عدالت میں علی العموم انہوں نے اسلامی قانون کی سخت پابندی کی۔ اتنی پابندی انہوں نے اپنی سلطنت کے کسی سیاسی شعبے میں نہیں کی۔ جسٹس بشیر احمد لکھتے ہیں کہ جہانگیر اکثر شام کو محل سے غائب ہو جاتا تھا اور غیر معروف ہوٹلوں اور سراؤں میں جا کر عوام کے ساتھ مل کر کھاتا پیتا اور اس طرح چند گھنٹے رعایا کے ساتھ گزارتا۔ اس کے نہ تو کوئی کرشمن تھے اور نہ اسے اپنی جان کا کوئی خوف لاحق ہوتا تھا۔ اس طرح سے اسے فرسٹ ہینڈ معلومات حاصل ہو جاتی تھیں۔ اور عوام بھی اس کی فراخ دلی کو پسند کرتے تھے اور عوام بھی بادشاہ کے اعتماد کو بد اخلاقی کے ذریعے کبھی ٹھیس نہ لگنے دیتے تھے۔ اس طریق کار کو عباسی خلفاء نے شروع کیا تھا اور دہلی کے سلطانوں اور مغل بادشاہوں نے اسے جاری رکھا۔[1]

ابن حسن لکھتے ہیں کہ عالم کی رائے میں مسلمان بادشاہوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کو ان کے جرائم کی سزا دینے میں انتہائی انصاف سے کام لیتے ہیں۔ جہانگیر عدل و انصاف کا شیدا تھا اسی وجہ سے مسلمانوں میں اسکا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے عدل کے لئے شاہ جہان کا نام بھی جہانگیر کی طرح ضرب المثل بن گیا۔ مورخ صادق خان وغیرہ کے بقول اسکے عدل و انصاف کی علیحدہ کتاب تیار

---

[1] بشیر احمد جوڈیشل سسٹم آف مغل ایمپائر صفحات ۹۴، ۵۹

[2] ہم کہتے ہیں کہ یہ طریقہ دراصل سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا۔ باقی سب نے انہی کی پیروی کی ہے۔ مبین کا ہشام بارش میں رات گئے چپکے سے گھر سے نکل جانا کسی غریب بیمار کے لئے کھانا لیجانا۔ رات اس کی تیمارداری کر کے صبح کو محل میں واپس آجاتا

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے،

انصاف پسندی چونکہ اس شہر کے لوگ نہایت کمزور دل اور عاجز ہیں، میں نے احتیاط کی بنا پر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل لشکر میں سے کوئی ان لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان پر ظلم و ستم کر بیٹھے اور ان فقرا و مساکین کے ساتھ زیادتی کرے، اور قاضی و میر عدل اہل لشکر کی رو و رعایت کی وجہ سے انصاف میں کوتاہی کریں، اور وہ اس ظلم کی فریاد لے کر مجھ تک نہ پہنچ سکیں، اس لیے میں ہر روز اُس تاریخ سے جب سے کہ میں اس شہر میں آیا ہوں، باوجود شدید گرمی کے ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو تین گھنٹے کے لیے اس جھروکے میں آ بیٹھتا ہوں جس کا رخ دریا کی طرف ہے، اور جس تک پہنچنے کے لیے، کوئی در و دیوار اور نقیب و چوبدار حائل اور مانع نہیں۔ یہاں بیٹھ کر انصاف کے تقاضوں کے مطابق فریادیوں کی فریاد سن کر ظالموں اور ستم پیشوں کو ان کے ظلم و ستم اور جرائم و تقصیرات کے مطابق سزا دیتا ہوں، یہاں تک کہ انتہائی ضعف اور ناطاقتی کے عالم میں بھی، جب کہ میں شدید تکلیف اور بے چینی میں مبتلا تھا، ہر روز اس جھروکے میں آکر بیٹھتا اور راحت و آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھتا تھا۔

بہر نگہبانی خلق خدا | شب نکنم دیدہ بخواب آشنا
از پیٔ آسودگی جملہ تن | رنج پسندم بتنِ خویشتن

خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری عادت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ شب و روز میں دو تین گھنٹوں سے زیادہ نہیں سوتا۔ اس کم خوابی میں دو فائدے میرے پیش نظر ہیں، ایک تو پورے ملک سے آگاہی رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے قلبی بیداری حاصل ہوتی ہے۔ حیف ہے اس پر جو اس عمر چند روزہ کو غفلت میں گزارے۔ چونکہ ایک روز ابدی نیند آنے والی ہے تو کیوں نہ اس بیداری (زندگی) کو جسے پھر خواب میں بھی نہ دیکھ سکونگا غنیمت جان کر اللہ تعالےٰ کی یاد میں گزاروں۔ آدمی کو ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہنا چاہیے۔

باش بیدار کہ خواب عجبی در پیش است [1]

---

[1] توزک جہانگیری اردو ترجمہ مطبوعہ مجلس ترقی ادب ۲: ۱۹ تا ۲۰۔

اکبر کی خاکساری

مزید توزک میں ایک مقام پر جہانگیر اپنے باپ اکبر کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اپنے کو مخلوقات میں کمترین مخلوق سمجھتے تھے اور یادِ خدا سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوتے تھے ان کی راتیں بیداری میں گزرتی تھیں اور دن میں بھی بہت کم سوتے تھے۔ ان کا سونا دن اور رات میں ایک یا ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہیں ہوتا تھا[1] ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ کے مصنفین نے دو یورپین چشم دید گواہوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اکبر بہت سادہ اور رحم دل تھا۔ وہ تخت کے پاس کھڑا ہو کر یا تخت سے نیچے بیٹھ کر انصاف کرتا تھا۔ بندوقیں وغیرہ اپنے ہاتھ سے بنانا جانتا تھا اور بہت محنتی تھا۔ اتنا کہ دن رات میں صرف تین گھنٹے سوتا تھا۔ (۲) حقیقت یہ ہے کہ کم سونے والے، جفاکش و محنتی حکمران ہی صحیح معنوں میں ناظر مظالم بن سکتے ہیں اور اپنے گورنروں اور کمشنروں کو عدل پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اورنگزیب بھی تین گھنٹے سے زیادہ نہ سوتا تھا۔ یہ مغل بادشاہوں میں سب سے متقی۔ عبادت گذار۔ محنتی اور عادل تھا۔

ٹیکس: جہانگیر ایک اور مقام پر اپنی توزک میں یوں لکھتا ہے

ایک بادشاہ اور باغبان کی حکایت

ایک بادشاہ ایک باغ میں گیا، جب کہ گرم لو چل رہی تھی۔ جس وقت وہ باغ کے دروازے پر پہنچا تو اس نے بوڑھے باغبان کو دیکھا کہ وہ باغ کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے بادشاہ نے اس باغبان سے پوچھا اس باغ میں انار ہیں؟ باغبان نے جواب دیا کہ ہاں ہیں بادشاہ نے کہا کہ ایک پیالہ انار کے رس سے بھر کر لاؤ۔ باغبان نے اپنی لڑکی کو جو خوب صورت اور خوب سیرت تھی، اشارہ کیا کہ وہ انار کے رس کا ایک پیالہ لائے۔ لڑکی گئی اور ایک پیالے میں انار کا رس بھر کر لائی اور چند پتے اس پیالے میں ڈال دیے۔ بادشاہ نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اس پیالے میں پتے ڈال دینے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ لڑکی نے فصیح و بلیغ زبان میں جواب دیا کہ آپ ایسی سخت گرم ہوا میں تشریف لا رہے ہیں اور پسینے میں تر بتر ہیں ایسے میں جب کہ آپ ابھی سواری سے اترے ہیں اور پسینے سے شرابور ہیں، فوراً ہی اس رس کا پینا طبی اصول کے خلاف

---

[1] محولہ بالا ص ۸۲ - (۲) ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ، ۲۲؛ ۳۱۔

ہے میں نے اس خیال سے یہ پتے اس پیالے میں ڈال دیے ہیں کہ آپ پتوں کو پیالے میں دیکھ کر اس رس کے پینے میں تھوڑی دیر تأمل فرمائیں گے. بادشاہ کو اس لڑکی کی یہ ادا پسند آئی اور اس نے دل میں سوچا کہ وہ اس لڑکی کو شاہی محل کی خادماؤں میں داخل کرے گا اس فیصلے کے بعد اس نے باغبان سے پوچھا کہ تجھے ہر سال اس باغ سے کتنی آمدنی ہو جاتی ہے و باغبان نے جواب دیا تین سو دینار بادشاہ نے کہا کہ تم ہر سال اس باغ کا کیا محصول ادا کرتے ہو؟ باغبان نے جواب دیا کہ بادشاہ درختوں کا کوئی محصول نہیں لیتا، البتہ کھیتی سے دسواں حصہ وصول کرتا ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ میری حکومت میں باغ بہت اور درخت بے شمار ہیں۔ اگر باغوں سے بھی دسواں حصہ محصول وصول کیا جائے تو خاصی رقم وصول ہو گی، اور رعیت کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہاں سے جانے کے بعد میں حکم دوں گا کہ باغوں سے بھی محصول وصول کیا جائے پھر اس نے انار کے عرق کا اور پیالہ منگایا۔ لڑکی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آئی اور انار کے رس کا ایک پیالہ لے کر آئی بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا کہ پہلی مرتبہ جب تو گئی تھی تو جلد ہی واپس آ گئی تھی، اور رس بھی پیالے میں زیادہ تھا، اس مرتبہ تو دیر میں آئی اور پیالے میں رس بھی کم ہے و لڑکی نے جواب دیا کہ پہلی مرتبہ پیالہ ایک ہی انار کے عرق سے لبریز ہو گیا تھا، لیکن اس مرتبہ پانچ چھ انار نچوڑنے پڑے، لیکن اس کے باوجود اس قدر رس نہیں نکلا۔ یہ سن کر بادشاہ کو حیرت ہوئی۔ باغبان نے کہا کہ برکت کا مدار بادشاہ کی نیت پر ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بادشاہ ہیں جس وقت آپ نے باغ کے محصول کے متعلق دریافت کیا، اسی وقت آپ کی نیت بدل گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میووں سے برکت جاتی رہی۔ اس بات کو سن کر بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس نے باغوں پر محصول لگانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ ایک دفعہ انار کے رس کا ایک اور پیالہ لے کر آؤ۔ لڑکی پھر گئی اور بہت جلد انار کے رس کا ایک لبریز پیالہ خوش خوش لا کر بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے باغبان کی فہم اور فراست کی داد دیتے ہوئے باغبان سے اس لڑکی کی خواستگاری کی اس رمز شناس بادشاہ کی یہ حکایت صفحہ روزگار پر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے باقی رہ گئی ہے کہ نیک نیتی اور انصاف کا اچھا پھل ضرور ملتا ہے۔ جس وقت انصاف پسند، بادشاہوں کی توجہ مخلوق خدا کی آسودگی اور رعایا کی بھلائی کی طرف منعطف ہوتی ہے تو بھلائیوں اور

باغات کے پھلوں اور کھیتوں میں برکت کا ظاہر ہونا بعید از قیاس نہیں ۔ خدا کا شکر ہے ہمارے خاندان کی اس سلطنت میں کبھی پھلوں پر محصول لگانے کی رسم نہ تھی اور نہ ہے ۔ تمام ممالک محروسہ میں ایک دام اور ایک حبہ بھی اس ضمن میں خزانہ عامرہ میں یا دیوان اعلیٰ کے پاس جمع نہیں ہوتا ، بلکہ یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی مزروعہ زمین میں باغ لگا لے ، اُس زمین کا محصول معاف کیا جائے ۔ امید ہے حق سبحانہ اس نیاز مند کو بھی ہمیشہ اس نیت خیر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیگا۔[1]

ہندو کی بیوی پر مغل فوجی کا قبضہ اور شاہ جہاں کی ذہانت اور انصاف

ایک ہندو منشی کی بیوی کو مغل فوجی نے اغوا کر لیا ۔ بیوی کہتی تھی کہ منشی میرا خاوند نہیں ہے ۔ لیکن شاہ جہاں عورت کے انکار سے مطمئن نہ تھا اچانک بادشاہ نے عورت سے کہا کہ ذرا عدالت کی دوات میں سیاہی ڈال کر دے اس عورت نے اتنی عمدگی کیساتھ یہ کام کیا کہ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ بیوی ہندو منشی ہی کی ہے ۔ پس بیوی ہندو کے سپرد کر دی گئی اور فوجی کو نوکری سے نکال دیا ایک اور رسول مقدمہ میں جو دہلی کے چار تاجروں کا تھا شاہ جہاں نے قرائن کی بنا پر فیصلہ کیا ۔

عالمگیر اور دیوان مظالم

مورخ ساقی مستعد خان لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا دستور تھا کہ ہر روز دو یا تین مرتبہ منظر عام پر کھڑے ہوتے اور داد خواہ کسی رکاوٹ کے بغیر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ۔ آپ بے حد خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت ملائم الفاظ میں بے حد شفقت سے جواب دیتے ۔ اکثر افراد بے تکلفی سے گفتگو کرتے ۔ آپ نے سائلین کے طول کلام اور بے جا اصرار و مبالغہ اور جسارت بیجا پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا ۔ بارہا بہی خواہان ملک نے عرض کیا کہ اہل احتیاج بے ادبی کرتے ہیں اس کی ممانعت فرمائی جائے بادشاہ نے یہی جواب دیا کہ نہیں ان کو اس طرز عمل سے روکنا درست نہیں ہے ۔ ان کی گفتگو میری اصلاح

---

[1] تزک جہانگیری اسعد ۱، ۶۲ / ۶۳ ۔

کرتی ہے اور میرے نفس کو تحمل کا خوگر بناتی ہے۔ [1]

مورخین کے بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں عالمگیر تمام سابق مغل بادشاہوں سے بڑھ گیا تھا۔ اس نے تمام غیر شرعی ٹیکس بھی بند کر دیئے تھے اور شریعت کا پورا پورا نفاذ کر دیا تھا۔ [2] انگریز مورخین کے نزدیک اسکی قابلیت اور انتظامی صلاحیت ماورا انسان تھی اورنگزیب نے فرمان جاری کیا کہ غریب کی بڑے آدمی کے خلاف شکایت کو اولیت دی جائے ڈو لکھتا ہے کہ تیمور کے خاندان کا یہ بنیادی اصول تھا کہ غریب لاچار شخص پر زیادتی کو ہرگز ہرگز معاف نہ کیا جائے۔

دارا شکوہ کا مقدمہ ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے فقہاء کا بورڈ دارا کے مقدمے کے لئے بٹھایا تھا کیونکہ بادشاہ خود پارٹی تھا اس لیئے وہ اس کا مقدمہ سننے کا مجاز نہ تھا۔ فقہاء کا اعلان کہ دارشکوہ کے نظریات ارتداد اور زندقہ کے مترادف ہیں بہت اہم تھا۔ ہند کے عوام جو والدین کی فرمانبرداری کو ضروری سمجھتے تھے ان کو اندازہ ہو گیا کہ عالمگیر کا شاہ جہاں کو محل میں نظر بند کرنا ایک اعلیٰ مقصد کے لئے ضروری تھا اور عالمگیر بلند نصب العین کے لیے ملوا تھا نہ کہ اپنی ذات کے لئے (ایڈمنسٹریشن آف دی مغل ایمپائر، ۱۹۶ / ۱۹۷ مزید دیکھیئے اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر مولفہ شبلی نعمانی)

کسی نے محمود غزنوی کے ایک قاضی کے پاس سربمہر تھیلے میں دینار امانت رکھوائے۔ قاضی نے تھیلا کاٹ کر اس میں تانبے کے سکے بھر دیئے اور پھر اسے رفو کرا کر اسی طرح سربمہر طلب کرنے پر واپس کر دیا۔ جب اس شخص نے تبدیلی کا ذکر کیا تو قاضی نے کہا مہر دیکھ لو مجھے کیا معلوم اس میں کیا تھا۔ میں نے اسی طرح بمع مہر تم کو واپس کر دیا۔ محمود غزنوی کے پاس شکایت پہنچی تو اس نے سب سے ماہر رفوگر کا پتہ کرایا اور اس نے بتایا کہ اس نے اس تھیلا کو رفو کیا تھا قاضی کے کہنے پر۔ اس طرح سے راز کھلا۔ پھر قاضی کو پھانسی دینے کا ارادہ کیا لیکن بڑھاپے کے خیال سے جائیداد کی ضبطی اور معزولی کی سزا دی [3]

---

[1] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ، ۴۲۲ تا ۴۲۳ نفیس اکیڈمی

[2] محولہ بالا صفحہ ۴۲۵ تا ۴۲۳۔

[3] سیاست نامہ مترجم محمد منور ص ۹۲ تا ۹۵

ایک شخص کو ارنڈ کی جڑ سے دبائی ہوئی دولت مل گئی۔ مالک نے جب دولت نہ پائی تو پریشان ہو گیا۔ لوگوں نے عضد الدولہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا تو اس نے کہا کہ وہ کوئی غیب دان ہے غرضکہ عضد الدولہ نے تمام حکیموں کو بلایا اور پوچھا کہ تم میں سے اس سال کسی سے ارنڈ کی کونپلوں سے کسی کا علاج کیا ہے۔ ایک نے کہا کہ ہاں آپ کی فلاں خواص کا۔ اس طرح سے مال لینے والے کا علم ہوا اور مال واپس مل گیا۔ (کتاب الاذکیاء: ابن جوزی)

بے سروسامانی کی حالت میں بھی ردمظالم کیلئے حکومت ضروری نہیں

ہمارے بعض سیاست دان۔ لیڈر۔ مذہبی رہنما یہ سمجھتے ہیں کہ ردمظالم صرف حکام کا کام ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں ردمظالم ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کا فرض ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا

انصر اخاک مظلوما او ظالما یعنی اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ مظلوم ہو یا ظالم۔ لوگوں نے پوچھا کہ ظالم کی مدد کیسے کریں۔ فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ یہ خطاب تمام امت کو ہے صرف حکام کو نہیں جناب اقدس نے ہمیشہ ردمظالم کا فریضہ انجام دیا حتی کہ مکہ کے اس دور میں بھی جبکہ آپ خود سب سے مظلوم تھے اور پورا مکہ سوائے گنتی کے چند نفوس کے آپ کی جان کا دشمن تھا اور طرح طرح کے ظلم آپ سہتے تھے۔ لیکن اس مظلومیت و بے سرمانی کی حالت میں بھی آپ کیسے ردمظالم کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اس مثال کو حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے اپنے ایک خط میں فیروز شاہ تغلق کو تحریر فرمایا؛

سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کر دیا گیا ہے حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی، اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیے ہیں، پورا متن یہ ہے

"حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب علیہ السلام کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا، کہ ایک شخص آیا،

پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا، باہر جاکر دیکھو جب میں باہر آیا، تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا محمدؐ یہاں ہیں میں نے کہا ہاں، وہ گھر کے اندر آیا اور کہا، یا محمدؐ تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں، اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھکو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو، اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے، اس نے کہا ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپ کے قیلولہ کا تھا اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلال نے) عرض کی یا رسول اللہ قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا وہ برہم ہوگا، لیکن آپ نہ رکے اور اسی طرح خشمگین ابوجہل کے دروازہ پر پہنچکر اس کو کھٹکھٹایا، ابوجہل کو غصہ آیا اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جاکر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلعم کھڑے ہیں، بولا کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا، پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کر دو، ابوجہل نے کہا، اگر اسی کے لیے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا، مال واپس کر دیتا، پیغمبرؐ نے فرمایا باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کر دو ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالے کیا نصرانی سے پیغمبرؐ نے فرمایا اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا ہے اس نے کہا لیکن ایک اونی تھیلا رہ گیا ہے پیغمبرؐ نے (ابوجہل سے) فرمایا، تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا کہ اے محمدؐ! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دوں گا حضرت رسالت مآب نے فرمایا میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کر دوگے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا، اور بولا وہ تو مجھ کو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں، اور اسی کو اس کے بدلہ میں دیتا ہوں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اسے،

نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا اس نے کہا اے محمدؐ! یہ بہتر ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا جب تک میں قیمت لے کر تمہارے حوالے نہ کرتا۔"

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا، اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے، اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لیے تہتر مرتبہ مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے اس سے اس کا کام سدھرتا ہے۔ اور بقیہ بہتر[۷۲] مغفرت عقبیٰ میں ملتی ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کارواں شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کارواں شہر سے باہر ٹھہرا ہے چلو ہم اس کی پاسبانی کریں، ایسا نہ ہو کہ کارواں والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھائے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے حق تعالیٰ نے پیغمبر کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے "رحماء بینہم" وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے، اور ان کے لیے غم کھاتے رہے۔

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذاتِ معظم و مکرم مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے، اور آپ کی بارگاہ کا عدل وانصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، عاقبت بخیر ہو[۱]

---

[۱] سہ صدی مکتوبات ص ۹۲ ہم وغیرہ۔ بحوالہ بزم صوفیہ۔

الماوردی لکھتے ہیں کہ شاہان فارس رفع مظالم کو جہاں بانی کیلئے بہت ضروری سمجھتے تھے۔ مکہ میں چند ایسے واقعات ہوئے کہ تاجر کا مال لیکر قیمت ادا نہ کی گئی۔ ابی بن خلف نے بھی ایسا کیا۔ ابوسفیان اور عباس بن عبدالمطلب نے کوشش کر کے مال واپس دلوایا۔ پھر قریش کے گھر والوں نے عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہو کر عہد کیا کہ مکہ میں کسی پر زیادتی ہو تو اسکی تلافی کی جائے۔ کسی پر ظلم نہ کرنے دیا جائے۔ مظلوم کا حق دلایا جائے۔ اس موقعہ پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی موجود تھے جبکہ آپکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ اس عہدنامہ کو حلف الفضول کہتے ہیں پس رفع المظالم حکام ہی کا نہیں بلکہ ہر شخص کا فرض اور حق ہے

(زیر طبع)

فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

تالیف

علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ اردو ترجمہ

مترجم: پروفیسر خان محمد چاولہ

وکلاء، قضاۃ اور قانون سے متعلق حضرات کیلئے ایک ناگزیر ضرورت۔ نفاذِ شریعت کے عمل میں ممد و معاون اسلامی مدارس اور فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ایک اہم کتاب۔ عنقریب طبع ہو کر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے زیرِ اہتمام منظرِ عام پر آ رہی ہے۔